

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188836

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۲۶۹۷ - Accession No. ۶۱۸۲

Author شریعہ الحکیم حسن بن صالح

Title حسن بن صالح

This book should be returned on or before the date
last marked below.

حسین

Printed 1974

یعنی کہ مکمل بحیرہ انج عمری
 بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کی مکمل بحیرہ انج عمری
 جس میں
 باطنیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ کے مفصل و محقق حالات ظہری لکھی گئی ہیں
 مصنفہ
 مولانا مولوی محمد علی صاحب شرر ایڈوگڈاز
 بعد
 ترمیم و اصلاح جدیدی ترتیب و تہذیب سے
 بہ اہتمام
 حکیم محمد سراج الحق پبلشرز ونگلڈاز
 ۱۹۲۲ء
 ونگلڈاز پریس لکھنؤ کٹرہ بزنس مین چھپ کے
 شائع ہوا

سخن سخن سخن

یہ سہا ہی رسالہ جو میری خدمت میں پہنچا ہے اس سے خبری ہے مضافین خود نظر و دونوں قسم کے ہونے ہیں جس سے مشین مسلمان کا تاجان ہندی مختصر تاریخ اور حصہ نظم میں مشاہیر شعرائے متعلقہ غزلیں اور مشہور نظمیں قیمت سالانہ دو ساسے ان کی فیاضی کے مطابق اور عوام سے فقط ۹۰ روپے منونے کے واسطے ۲۰ روپے کا مکمل آنا ضروری ہے۔
 بیچر سخن سخن کڑھ بزن بیگ خان لکھنؤ

کاخانہ روضہ ارحمن لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

آپ ایک دفعہ آنے کے تو دیکھیں عطر کے لیے لکھنؤ مشہور جو گرانٹوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والوں کو نہیں ملتا کیونکہ کہیں مال کی ڈاگی نوکرین کے ہاتھ ہے اور ان کے فعل فعل کا خیال وہ ان غریبوں ہی کو اٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے شگونے اور بے دینی خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض اشتہار دینے والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ دیر گمان کو اور کبھی چار کو بھیجتے ہیں۔ یہ عام خرابیاں دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فانیین ان کے لیے غنیمت اور مستند کارخانہ فون کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر انتہام کر کے ال خوبی جابج کر اور کفایت خرید کر کے روانہ کر دیا کریں جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے عطر کے شائق ایک باماستانہ شگونہ کر دیکھ لیں کہ ہمارے ذریعے سے انھیں کیسا اچھا عطر اور آگن دامون کو ملے ہے۔ یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ بوجہ گائی صندل عطر کی قیمت میں فیکولہ لڑخا فہ ہو گیا ہے۔ اور محصول بجائے ۲۰ روپے کے ۱۶ روپے ہو گیا ہے۔

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ

عطر ہنار فیتولہ کی فہرست ملاحظہ ہو

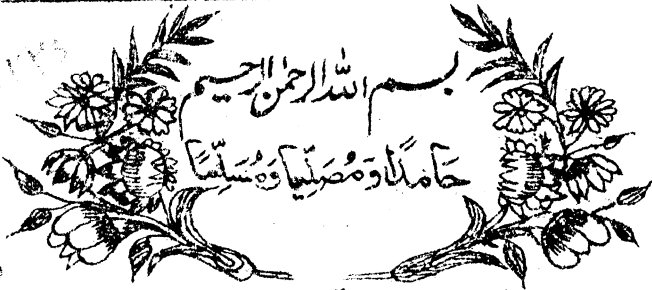
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ
عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ	عطر ہنار فیتولہ

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ بامزہ تنباکو

زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے
زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے	زردہ تنباکو شکی فی برتے

نہایت - دیوارات آتے ہی دیوٹی پبل ردا نہ ہو گا۔ بار بار مہارت ڈاک ذمہ خیر ہمار۔

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیر دگلڈ از کڑھ بزن بیگ خان لکھنؤ



ناول فردوس برین کی تصنیف نے حسن بن صباح کی زندگی کا ایک خاکہ برے دارغ میں قائم کر دیا تھا چنانچہ سلسلہ محمدی مطابقی حلیہ میں جب دگلڈز پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تو کمین نے آخر سہ ماہی میں اس نامور شخص کے حالات زندگی مرتب کر کے دگلڈز کے چار نمبروں میں شائع کرائے۔ یہ حالات زیادہ تر انگریزی اور بعض عربی و فارسی تاریخوں سے ماخوذ تھے۔

پھر جب ہفتم پیارم یا رشتی محمد شاہ حسین مرحوم نے میری اجازت سے فردوس برین کو پہلی مرتبہ شائع کیا تو انھوں نے اصرار کیا کہ ناظرین ناول مذکور کی مزید دلچسپی کے لیے حسن بن صباح کی لائف کے وہ مضامین بھی ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیے جائیں۔ میں نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور سلسلہ میں فردوس برین کی اشاعت کے ساتھ ہی یہ لائف بھی انھوں نے جدا گانہ شائع کی۔ اور کما میں اس قدر پسند کی گئی کہ مختلف مطابع میں چھپنے کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہو گیا۔

لیکن اس دس سال کے اندر مطابع کی بے احتیاطیوں سے یہ رسالہ روز بروز غارت ہی ہوتا گیا۔ جس کی اصلاح سوا اس کے اور کسی تدبیر سے نہ ہو سکتی تھی کہ مطبع دگلڈز کی جانب سے اس کا ایک اعلیٰ درجہ کا لائبریری ایڈیشن شائع کیا جائے چنانچہ اس خیال سے میں نے اس پر از سر نو نظر ڈالی۔ مختلف عنوان قائم کر کے اسے عمدہ طور پر مرتب کیا۔ کسی قدر اضافہ کیا۔ اور جہاں ردوبد کی ضرورت نظر آئی۔ اس میں بھی درپیش نہیں کیا۔

الغرض بالکل ایک نئی کتاب بنا کے یہ رسالہ اب شائع کیا جاتا ہے جسے امید ہے کہ فن تاریخ کے قدردان پسند فرمائیں گے۔ فقط

خاکسار محمد عبدالحلیم قریشی ریڈیٹو دگلڈز۔ کہنو
ایکم مئی ۱۹۶۵ء

فہرست مضامین حسن بن صباح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۴	باطنیوں کا استیصال۔	۱	تہید۔
۵۶	سندھ اور ہندوستان کے باطنی۔	۶	ولادت اور نشو و نما۔
۵۸	اسماعیلیوں یا بہروں کی اہلیت۔	۱۰	مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا۔
۵۹	ایران کے موجودہ باطنی۔	۱۳	اُس کی تباہی و آوارہ گردی۔
۶۰	شام کے موجودہ اسماعیلیں۔ درود۔	۱۵	قلعہ القنوت۔
۶۷	سویڈانی اور خضروی۔	۱۷	اُس کا نیا مذہب اور اُس کی حکومت۔
۶۸	نصیری۔	۱۹	اُس کا زہد و اتقا۔
۶۹	ایران کے بابی۔	۲۰	اُس کی جنت۔
۷۹	خاتمہ۔	۲۲	اُس کے پیروؤں کے تین گروہ۔
		۲۵	حسن بن صباح اور سلطان خجہ۔
		۲۷	اسماعیلیہ قرامطہ اور باطنیہ کا امتیاز اور امامت کی مختصر تاریخ۔
		۳۳	حسن بن صباح کے مرید اور اُن کے باطنی دنیا میں ہل چل۔
		۳۴	حلب کا باطنی حاکم۔
		۳۵	حسن کی وفات۔
		۳۶	اُس کا بانی بنین کیا بزرگ۔
		۳۷	محمد بن کیا بزرگ۔
		۳۸	ذرائعوں کا زہر اور انکا دست قلم۔
		۴۰	حسن بن محمد کیا بزرگ۔
		۴۲	حسن کا دعویٰ امامت۔
		۴۳	محمد بن حسن شاہ القنوت۔
		۴۶	صلیبی عیسائیوں پر باطنیوں کے حملے۔
		۴۸	حسن ثالث شاہ القنوت۔
		۴۹	محمد ثالث شاہ القنوت۔
		۵۲	دکن الدین خورشاہ آخری بادشاہ القنوت۔



حامداً و مصلياً و مُستليماً

مقدمہ

نعمت خان عالی نے اورنگ زیب کے دونوں بیٹوں کی لڑائی کی تمسید میں اس امر کی خوب خوب مثالیں دی ہیں کہ ایک ہی جگہ سے دو چیزیں نکل گئے کیسی کیسی مختلف حالتوں کا نمونہ بنتی ہیں۔ ایک سیپ سے دو موتی نکلتے ہیں۔ ایک تاج شاہی کو ردنی دیتا ہے۔ اور دوسرا کھل میں پیکر سہرہ بنتا ہے۔ ایک شاخ پر دو پھول کھلتے ہیں۔ ایک کسی خوب رو کے سینے پر پہنچتا ہے۔ اور دوسرا باد مخالف سے مر جھاکے گرتا ہے۔ اور آنے جانے والے اُسے پامال کرتے ہیں۔ ایک رحم سے دو بھائی نکلتے ہیں۔ ایک علم و تحقیق کے ملائے اعلیٰ پر پہونچتا ہے۔ اور دوسرا جہل و ضلالت کے قعر میں گرتا ہے۔

دنیا میں ایسی عبرت انگیز مثالیں بہت ہیں۔ مگر یہ شخص جس کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہیں شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز اور دل

میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا کر نیوالی مثال ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا کا زمانہ ہے کہ امام توفیق الدین سرزمین فارس میں مرکز علم بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے حلقہ درس میں دور و دراز سے لوگ آ آ کر شریک ہوتے اور دولت علم سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ انھیں طلبہ میں تین نوع عمر جمعی الاصل شخص تھے جن میں کمود کا نام حسن اور تیسرے کا نام عمر تھا۔ ان میں باہم بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اس قدر دوستی تھی کہ ہر ایک دوسرے کی ہمدردی و حاجت روائی کے لیے تیار رہتا تھا۔ ان تینوں طلبہ نے جن میں سے ہر ایک آئندہ مہاراج زندگی میں ایک نامور اور نہایت والی مثال ثابت ہونے والا تھا۔ ایک دن بیٹھ کے آپس میں معاہدہ کیا کہ ہم تینوں میں سے خیرا جس کو کامیاب و باعزاد کرے اور دولتمندی اور جاہ و حکم کے درجے پہنچا اس کا فرض ہو گا کہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اس عہد کو سب نے جوش و خروش سے قبول کیا۔ اور مضبوط عہد و پیمان اور قول و قسم سے اس معاہدے کی تکمیل ہوئی۔

چند روز بعد یہ تینوں طلبہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسے سے نکلے اور ہر شخص دنیا کے وسیع میدان میں قسمت آزمائی کرتا ہوا چلا۔ دونوں حسن میں سے ایک فقور سے ہی زمانے میں دربار سلجوقی تک پہنچا۔ اس دربار نے بڑی قدر دانی سے کام لیا۔ وزیر اعظم بنا کے ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدی اور ایک معزز خطاب دے کے اُسے نظام الملک طوسی کے نام سے دنیا میں چمکایا۔ یہی وہ نظام الملک ہے جس کی خوبیوں کا زمانہ ہمیشہ محترم رہا۔ اور جس کے فیض و کرم کا ایک نمونہ مدرسہ نظامیہ بغداد تھا۔ دوسرے طالب علم عمر کو دنیاوی ثروت تو نہیں حاصل ہوئی۔ مگر عظیم

کے لقب سے زمانے میں ایک زبردست مہندس ایک عالی دماغ فلسفی۔ اور ایک فلسفیانہ شاعر مشہور ہوا۔ جس کی رباعیات آج تک ہر صاحبِ ذوق کے ہاتھ میں ہیں۔ جس کا درست کیا ہوا حساب سینیں آج تک پارسیوں کا دینی مسئلہ ہے۔ جس کے خیالات آج یورپ کے ایک خاص گروہ کا فلسفہ ہیں۔ اور جس کے نام نے لندن میں فی الحال ایک ختامِ کلب جاری کر دیا ہے۔ تیسرے طالب علم یعنی نظام الملک کا ہمنام حن وہ حن بن صباح ہے جس کی اس وقت ہم لائف لکھنا چاہتے ہیں۔ اور جس کو مسلمان چاہے وقت کی نگاہ سے نہ دیکھیں مگر سچ یہ ہے کہ اُس کا ہندوؤں ہم سبقوں سے بڑھا ہی ہوا ہے۔ خود نظام الملک حن بن صباح کی طبیعت سے واقف تھا اور کہا کرتا تھا کہ عنقریب شخص ضعیف الاعتقادوں اور عوام الناس کو ہبکا کے بہت خراب کرے گا۔

تمہید ہی میں ایک اور دلچسپ واقعے کے بیان کر دینے کی بھی ضرورت ہے۔ فری میسنری (یعنی فرارشن لوگوں کی) سوسائٹی مسلمانوں کو بالکل ایک نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ فری مین اپنے اصول کی بنیاد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت اس وقت تک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اسی قسم کی ایک عظیم الشان سوسائٹی اسلام کے فرقہ اسماعیلیہ میں قائم ہوئی تھی۔ جس کا بانی نذیر اسماعیلیہ تھا۔ اور خلفائے فاطمیہ میں مصر سرپرست تھے۔

اسماعیلی مذہب چونکہ اندرونی سازشوں اور رازداری کے طریقے سے قائم ہوا تھا۔ لہذا اس کے پیرو اپنے روز کو صرف اسی شخص پر ظاہر کیا کرتے تھے جو اُن کا ہم عقیدہ ہوا اور اُن کی سوسائٹی میں شریک ہو جاے۔ اسی مذہبی رازداری کی ضرورت سے سب کے پہلے ایک بہت بڑا لالچ (فرارشن خانہ) افریقہ کے شہر

قیروان میں قائم ہوا۔ اور چند روز بعد جب مصر کا شہر قاہرہ فاطمیان کا دارالخلافہ
 قرار پایا۔ تو وہ لاج بھی قیروان سے منتقل ہو کے قاہرہ میں آگیا۔ اس لاج کے
 پریسیڈنٹ کا لقب "داعی الدعات" ہوتا تھا۔ جو فری مینوں کے گرنڈ ماسٹر کا
 قائم مقام تھا۔ مگر اس گرنڈ ماسٹر کے اختیارات بہت زیادہ وسیع تھے۔ اس لاج
 میں ہر ہفتے میں دو صحبتیں ہوتی تھیں جن میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے
 تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہوں۔ ان جلسوں میں پوری رازداری
 سے کام لیا جاتا تھا۔ اور انہیں صحبتوں میں داعی الدعات بادشاہ یا خلیفہ سے
 مل کے اپنے رموز کے متعلق کچھ پکارتا تھا۔ علامہ مقریزی کا بیان ہے کہ اس
 لاج کے پہلے سات ہی درجہ (ڈگریاں) تھے مگر قاہرہ میں آنے کے بعد
 نو ڈگریاں ہو گئیں جن کو حاصل کر کے لوگ اپنے مدارج میں ترقی کرتے۔
 پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے قرآنی مذہب کی دشواریاں
 اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات و شکوک پیش کیے جاتے تھے
 اور اس دُشع سے کہ نئے مرید کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے۔ ان شبہات و
 کے مٹانے اور شبہات کے دور کرنے کا بتایا نہ شوق پیدا ہو تب چند عمومی
 اصول مذہب اسماعیلیہ اس پر ظاہر کیے جاتے۔ اور اُس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے
 معلم یا داعی کی ہر بات کو بے غدار اور بغیر کسی حجت و کلمہ کے تسلیم کرنے کا۔ پوری
 ڈگری میں مسئلہ امامت حل کیا جاتا۔ اور وہ رموز و بانی بتائے جاتے جو
 امامت سے وابستہ ہیں۔ دوسری ڈگری میں مذہب اسماعیلی کے خاص عقائد بتائے
 جاتے۔ اور اس امر کی تعلیم ہوتی کہ اماموں کا شمار سات ہے۔ اور اسماعیل
 بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے۔ چوتھی ڈگری میں یہ بت
 بڑا اور اہم راز بتایا جاتا کہ ابتداءً خلق عالم سے اس وقت تک صرف سات

ناموس الہی یعنی صاحب شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اسبق
پیغمبر کی شریعت میں ضروری ترمیم کی۔ ان ساتوں پیغمبروں میں معجزات و قوت بیا نیہ
تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے زور و شور سے اور علی رؤس الاشہاد احکام بآنی
ظاہر کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی تھا جس کا فرض
یہ تھا کہ بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اپنے ساتھ واسلے گویا پیغمبر کی شریعت کو مضبوط
کرے۔ وہ سات ناموس الہی یہ تھے۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ اور
محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسماعیل بن جعفر صادق۔ اور ان کے ساتھ
واسلے خاموش پیغمبر تھے۔ ثنیت۔ سام۔ اسماعیل۔ ہارون۔ شمعون۔ (جس
سے بطرس حواری وراوسہ) علی بن ابی طالب۔ اور محمد بن اسماعیل بن
جعفر صادق۔

پانچویں ڈگری کی یہ تسلیم تھی کہ ہر خاموش پیغمبر نے ترویج دین کے لیے
اپنی طرف سے بارہ داعی مقرر کیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا تھا
کہ برکت و فضیلت کے لحاظ سے سات کا عدد بارہ کے عدد سے بڑھا ہوا ہے یہ
پانچ نیچے کی ڈگریاں تھیں جن کی تعلیم من عقائد اسماعیلیہ بنانے کے ساتھ زیادہ کوشش
اس امر کی کیا جاتی تھی کہ مرید کے دل میں اپنے نقیبوں اور داعیوں یعنی معلموں کی بہت
زیادہ تعداد پیدا ہو جائے۔ اور وہ آنکھیں بند کر کے ہر امر میں تقلید کرنے لگیں۔ اوپر
کی ڈگریوں میں زیادہ اہم رموز بتائے جاتے تھے ڈگری میں یہ اصول ذہن نشین
کیا جاتا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہیں بشرطیکہ فلسفہ پر حاکم نہیں بلکہ فلسفہ
شرع پر حاکم ہے۔ ساتویں ڈگری میں اصوات کے رموز اور ان کے قائم مقام
حروف کی قوت بتائی جاتی تھی۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ علم جفر کی تعلیم ہوتی تھی جس
میں اصوات و حروف کی قوت سے بڑا کام لیا گیا ہے۔ اس فن کو وہ ایک

بہت بڑا مزرہ بانی تصور کرتے تھے۔ آٹھویں ڈگری میں حرکات و افعال انسانی کا باہمی اتحاد بنا یا جاتا۔ اور نویں ڈگری میں یہ آخری سبق ملتا کہ یقین کسی چیز کا کرنا چاہیے اور جرأت ہر امر میں اور ہر کام کے لیے ضروری ہے۔

الغرض جس زمانے کا ذکر ہم بیشتر کے تہیدی واقعے میں بیان کر آئے ہیں اُن دنوں مصر میں یہ بہت بڑا اسماعیلی لاج قائم تھا اور اپنے نقیبوں اور داعیوں کو تر و تکی مذہب اسماعیلیہ کے لیے اطرافِ عالم میں پھیلا رہا تھا۔ یہ داعی بلا دور دور اندر میں جا کے چکے ہی چکے لوگوں پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔ اور اسماعیلیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی نازک زمانے میں حسن بن صباح پیدا ہوا اور اسی دور میں اس کا نشو و نما ہوا۔

مثلاً

ولادت اور نشو و نما

وہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اصلااح خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا تھا۔ باپ ایک معمولی شخص تھا۔ اور کسی قدیم عربی شاعر نامور صبح حمیری سے اپنے سلسلے کو ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق حسن خود کہتا ہے کہ ”میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا پابند تھا۔ اور سارے ہی برس کی عمر میں کہ مذہبی تحقیق اور اصلااح خیالات کی طرف متوجہ ہو گیا۔“ مگر دوسرے لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا باپ مذہب اہلسنت کا پابند تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ حسن بچپن ہی سے اپنے آپ کو بحبانِ طہیت میں شامل کرنا تھا۔ اور اُس کے باپ نے حسن کو امام موقت الدین کے حلقہ درس میں پہنچایا۔ اور کوشش کی کہ اُسے عام ملکی مذہب کا پابند بنائے۔ اور کیا عجب

کہ متوق الدین نے اس کی کوشش بھی کی ہوگر کچھ کارگر نہ ہوئی اس لیے کہ حسن دل سے مذہب شیعہ ہی کو مذہب حق سمجھتا رہا۔ مدرسے میں ہم مکتبوں سے معاہدہ کر کے جب باہر نکلتا تو مختلف مقامات میں پھرتا رہا۔ مگر کسی جگہ کا سیابی نہ ہوئی۔ اور نہ کوئی ایسا مشغلہ ہاتھ لگا جو اس کی بلند ہمتی کے مناسب حال ہو۔

غریب الوطنی میں پھر ہی رہا تھا کہ اپنے ہم کتب نظام الملک کو خلعت وزارت سے آراستہ بنا۔ فوراً اس کے ملنے کو روانہ ہوا۔ اور ملتے ہی ایفائے وعدہ کی درخواست کی۔ نظام الملک نہایت ہی نیک نفس اور پاک طینت لوگوں میں تھا اس نے حسن کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور بادشاہ سے ملا کے فوراً ایک بہت بڑے اور اپنے برابر کے عہدے پر ممتاز کر دیا۔ مگر انہوں نے حسن خیالات کا آدمی تھا ان کی تکمیل نظام الملک کے ہاں اختیار رہنے میں کی طرح نہیں ہو سکتی تھی اس کے لیے تو ایسے اختیارات چاہیے تھے جن میں اور کسی کی شرکت نہ ہو۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ اپنے محن نظام الملک کے گرانے کے درپے ہو گیا۔

ایک دن ملک شاہ نے نظام الملک سے پوچھا کہ ایسی ایک مکمل رپورٹ جس سے تمام قلمروں کے محاصل و مخارج کی تفصیلی حالت معلوم ہو جائے تم کتنے دنوں میں تیار کر سکتے ہو؟ یہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کی قلمرو ملک روم و مصر سے لے کے خراسان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس زمانے میں جبکہ دفاتر آج کل کے سے صاف اور مرتب نہ تھے ایک ایسی فہرست کا بنالینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان دنوں دشواریوں کا خیال کر کے نظام الملک نے کہا: دو سال میں۔ لیکن حسن بن صباح نے جو اس وقت حاضر دربار تھا اور نظام الملک کو بادشاہ کی نظروں سے گرا کر چاہتا تھا بڑھ کے کہا: مگر میں تو ایسی فہرست صرف چالیس دن میں تیار کر دوں گا۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا۔ اور نظام الملک خاموش رہ گیا۔ امتحاناً بادشاہ نے یہ خدمت حسن ہی کے سپرد کر دی۔ ۴۰۰ دن گزرے۔ حسن بن صباح اپنی رپورٹ لے کے حاضر دربار

ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہو گئی۔ نظام الملک بھی ایک کونے میں بیٹھا
 کھڑا ہے کہ دیکھیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر یہ رپورٹ پسند آگئی تو میرا تپہ بھی نہ لگے گا۔
 ملک شاہ نے رپورٹ کو دیکھ بھال کے بعض جزئیات کو حقن سے پوچھنا شروع کیا
 اور ایسے سوالات کیے کہ حقن کو جواب دینے نہ بنی اور سہوت کھڑا ہو گیا۔ نظام الملک
 کے لیے اس سے عمدہ کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ بڑے کے دست بستہ عرض کیا
 انہیں شکلات کے خیال سے جن لوگوں کو خدا نے عقل دی ہے کافی مہلت
 مانگتے ہیں تاکہ اُس معاملے کو اچھی طرح سمجھ سکیں یا اور کسی امر سے ناواقف نہ رہیں
 ملک شاہ جو حقن کے کیر کرڈ کو پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ چکا تھا۔ اب اُس کے
 غصے کی کوئی انتہا نہ تھی سخت برہم ہوا۔ اور ارادہ کیا کہ حقن کو سزا دے۔
 مگر نظام الملک کی سفارش سے یا خود ہی تیس کھا کے اتنے ہی پر کفایت کی
 کہ دربار سے نکلوا دیا۔ مگر وہ دربار سے نکلا تو نظام الملک طوسی کے متعلق ایک
 خار دل میں لیتا گیا۔ لیکن حقیقت میں یہ پہلی ناکامی ہی حقن کے لیے ذریعہ ترقی
 ہو گئی۔ اُس کا مزاج اور اُس کا حوصلہ جس میدان کو ڈھونڈ رہا تھا اس کو
 بہت ہی رفیع اور بے انتہا وسیع ہونا چاہیے تھا۔ جس جگہ کسی کی ماتحتی اور
 کسی قسم کے قیود ہوں وہاں کی آب و ہوا میں حقن کے سے آزاد خیال شخص
 کے لیے ناکامی و رکنار جان کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں شک
 نہیں کہ ایسے لائق اور فطین شخص کا آزادی سے چھوڑ دیا جانا بھی نہایت
 اندیشہ ناک امر تھا۔ اور خصوصاً اُس زمانے میں جبکہ مختلف خیالات اور
 مختلف عقائد کے دعویداروں سے زمانہ بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً قاہرہ کے
 زہر دست لاج کے نقیب اور داعی تو ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور حکومت
 اسلام کے دامن میں صدمہ و مخفی سازشیں۔ اور رازداری کی خفیہ کارروائیاں

ہو رہی تھیں اکثر ملنے جلنے والوں کا ظاہر مذہب کچھ ہوتا تھا اور حقیقی مذہب کچھ
 اس قسم کی دعوت کو نیا لہ یا آج کل کی اصطلاح میں کہا جائے کہ مشنریوں
 کی ابتداء سلام میں بنی امیہ دمشق کے آخر عہد سے پڑی تھی جب کوئی ظاہری
 قوت بنی امیہ کا زور نہ توڑ سکی تو بنی ہاشم نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے
 معتقدوں اور طرفداروں کو داعی اور نقیب کے لقب سے دنیا میں پھیلا کر شروع
 کیا جو ہر جگہ جاتے تھے۔ بظاہر تو سلطنت کی اطاعت کرتے اور باطن میں لوگوں
 سے بنی ہاشم کے لیے بیعت لیتے۔ اس قسم کے ہزارہا داعی اور نقیب خراسان
 سے شام تک پھیل گئے جنھوں نے اندر ہی اندر بقول ہمارے معتقدین کے
 ایک بھک سے اڑ جانے والا مادہ بچھا رکھا تھا جس میں ایک ذرا سی خنکاری
 پڑتی ہی ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ بنی امیہ کی سلطنت بیخ و بن سے اکھڑ کے
 دنیا سے غائب ہو گئی۔ اور بنی ہاشم کا دور شروع ہوا اتفاقاً اس انقلاب میں
 قسمت کا قرعہ بنی ہاشم میں سے بنی عباس کے نام پڑا۔ اور بنی فاطمہ کو چند ہی روز
 میں نظر آیا کہ جس طرح پہلے بنی امیہ عام بنی ہاشم کے دشمن تھے اب بنی عباس بنی
 فاطمہ کے دشمن ہیں جو کہ آل رسولؐ اور پیچھے مستحق وراثت نبوی ہیں! الغرض اب
 بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں بنی فاطمہ کو دعوائے مخالفت تھا جو حکمران
 خاندان کے زیر کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لانے کے لیے انتہا سے زیادہ
 بے چین تھے۔ اور خرابی یہ تھی کہ ان میں بھی باہم اتفاق نہ تھا۔ مختلف سربراہ اور دگا
 بنی فاطمہ مختلف مقامات میں دعویٰ دار امامت و خلافت تھے۔ قاعدے کی بات
 ہے کہ جہاں کوئی تدبیر ایک دفعہ کامیاب ہو جاتی ہے پھر سب لوگ اسی پر
 عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا سب نے اپنے اپنے داعی مقرر کر کے پھیلا دیے
 بنی فاطمہ اگر سب مل کے اور متفقہ کوشش سے کسی خاص شخص یا ایک امام

کے لیے کوشش کرتے تو ممکن نہ تھا کہ کامیابی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ باہم اختلاف تھا اور ایک کے نقیب و داعی دوسرے کو بُرا اور باطل بتاتے تھے۔ لہذا ہمیشہ یہ ہوا کہ ایک نئی کوشش نے دوسرے کو توڑا۔ اور تہی عباس کے مقابلے میں کبھی کوئی ایسی مجموعی قوت نہیں قائم ہونے پائی جیسی کہ بنی امیہ کے خلاف قائم ہو گئی تھی۔

خیر کامیابی و ناکامیابی سے تو بحث نہیں کرتے۔ ضرور تھا کہ ہر جگہ انھیں بزرگوں اور اماموں یا اُن کے طرفداروں کے نقیب پھیلے ہوئے تھے اور ہر شخص کو اپنے امام کا مرید و معتقد بناتے رہتے تھے۔ خصوصاً اسماعیلیہ مصر کے نقیب اور داعی کو بظاہر تہی عباس کی اطاعت کرتے مگر باطن میں شام سے لے کے خراسان تک ہر جگہ ایسا اثر پھیلا رہا ہے۔ جبکہ دنیا کی یہ حالت ہو رہی تھی ایسی وقت میں کسی شخص کا بے سرو پا چھوڑ دیا جانا دلیا ہی تھا جیسے کہ آج کل کسی بے روزگار و آوارہ گرد کے لیے دُر ہے کہ جلا وطن کرنوالی کمپنیاں کسی نوآبادی میں نہ پہنچا دیں۔ یا عیسائی مشنری کچھ پالچ دلا کے کرچین نہ بنالین۔

مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا

ملک شام کے دربار سے نکل کے حسن بن صباح صافمان پہنچا اور وہاں کے رئیس اور مجسٹراٹ ابوالفضل نے بڑی خاطر داری کی۔ مگر ایک دن حسن کی زبان سے یہ جملہ سن کے کہ ”اگر مجھے دو باتیں سچے دوست مل جائیں تو سلجوقی سلطنت کو الٹ دوں“ دل میں کہا یہ نیا مہمان شاید دلوا ہو گیا ہے اس لیے کہ اس کی جو حالت و حیثیت ہے اُس کے لحاظ سے بزرگ سلطنت سلجوقیہ کے مٹانے کا دعویٰ جو شہر خلب سے کاشغرتک پھیلی ہوئی ہے

سو کسی مجنون کے کوئی ذی ہوش نہیں کر سکتا۔ ابوالفضل کو حن کی دیوانگی کا بیان تک یقین ہو گیا کہ ایک طبیب کو بلا کے اس کا علاج بھی شروع کر دیا۔

چند روز بعد ان نادان بیمار دارون سے پیچھا چھڑا کہ حن بن صباح آوارہ گردی کرتا ہوا چلا۔ اور ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا۔ اور آخر وہی ہوا جس کا ہم نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ یعنی اُسے ایک رفیق ملا جس نے انتہائے یاد دوستی بڑھا کے اور خلوص پیدا کر کے ظاہر کیا کہ دنیا میں مذہب اسماعیلیہ سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔ اور خلفائے مصری وہ اصلی اور حقیقی امام ہیں جن کی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حن کو ایک فلسفیانہ خیال کا آزاد مشرب آدمی پائے اُس نے اپنی دعوت کو اس طریقے سے شروع کیا کہ طریقہ اسماعیلیہ بالکل فلسفیانہ مذہب ہے۔ حن نے اتنی کمزوری نہیں دکھائی کہ اس اسماعیلی دوست کی ہر بات کو تسلیم کر لیتا۔ بلکہ طالب علمانہ طریقے سے بحث کرنے لگا۔ اور دونوں دوستوں میں شب و روز انہیں مسائل و عقائد پر گفتگو رہنے لگی۔ حن اگرچہ آخر تک اس دوست سے اختلاف ہی کرتا رہا۔ مگر دل ہی دل میں معترف ہوتا جاتا تھا۔ اور چاہے زبان سے نہ اقرار کرے مگر دل میں قائل ہو گیا تھا۔ اس رفیق سے جدا ہونے کے بعد حن بیمار پڑ گیا۔ اور ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اور بچھونے پر بڑا موت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اس نازک حالت میں گزشتہ واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ اسماعیلی دوست کے دلائل بار بار یاد آتے اور دل میں کہتا: بیشک مذہب اسماعیلیہ برحق ہے۔ اور خدا بخواتمہ میں کہیں یونہی مریگا تو باطل پر مردنگا۔ اور حق کے اختیار کرنے سے محروم رہ جاؤں گا۔ الغرض اس بیماری نے اُسے ایسا کر دیا تھا کہ اب جو شفا پائے

اٹھا تو خود ہی کسی داعی اسماعیلیہ کی جستجو میں چلا۔

مکتوڑ سے ہی زمانے کی جستجو میں ابو نجم صنہاج نام ایک مستند اسماعیلی شخص سے ملا اور اُس سے مل کے دوبارہ عقائد اسماعیلیہ کی تحقیق و تنقید کی اور اُن پر غور کر کے دل ہی دل میں معترف ہو گیا کہ "یہ باتیں جھوٹ اور باطل نہیں ہو سکتیں" اب اسماعیلیت کے اصول کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد حق کے دل نے ہر عقیدے اور ہر مسئلہ کی فلاسفی خود ہی دریافت کر لی۔ اور اب فقط اتنا ہی باقی رہ گیا کہ وہ علانیہ اس مذہب کا اعتراف کرے جس کی تیار بیان کر ہی رہا تھا۔ کہ مومن نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملاقات ہوئی جس کو داعی ہونے کی عزت بھی حاصل تھی۔ کیونکہ اس کو داعی عراق شیخ عبد الملک بن عطا نے اپنے اسماعیلی لالچ کی دعوت اور اسماعیلیت کا مشن بننے کی سند و اجازت دی تھی۔ اس شخص سے ملنے ہی حق نے کہا: زیادہ کئے سننے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ بلا تامل مجھے اپنے گروہ برحق میں داخل کر دیجئے۔ بس یہی وقت ہے جب سے حق بن صہلح انبیا عشری شیعیت کو چھوڑ کے مذہب اسماعیلیہ میں شامل ہوا۔ ہنوز یہ طریقہ اختیار کیے اسے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ خود شیخ عبد الملک داعی عراق سفر کرتے ہوئے رے میں آئے۔ جہاں حق اُن کی صحبت میں پہنچا۔ اور اُس کے چال چلن۔ اُس کی دیانت و داناتی۔ اس کی مستعدی و سرگرمی کو دیکھ کے اُنھوں نے اُسے بھی دعوت اسماعیلیہ اور مذہب حق کا مشن بننے کی اجازت و دیدی اور کہا کہ "گو میں نے تم کو اجازت دیدی ہے مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ارض مصر میں جا کے امام زمانہ خلیفۃ المستنصر باللہ کی زیارت سے بھی شریاب ہو لو" اس نصیحت و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ ادھر تو شیخ عبد الملک عراق واپس گئے۔ اور ادھر حق بن صہلح نے مصر کی تیار بیان کر دیں۔

اتنے ہی دنوں میں حق کی لیاقت و ہوشیاری کی اس آغیلہ مذہب والوں
میں اس قدر شہرت ہو چکی تھی کہ مصر میں اُس کا نام اُس سے پہلے پہنچ چکا تھا
اور دوبارہ امت اس آغیل میں اُس کی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ المستنصر باللہ
نہایت ہی اخلاق و مروت سے مالا بڑی قدر دانی کی۔ نہایت ہی معزز حیثیت
سے اپنا مہمان بنایا۔

اُس کی تباہی و آوارہ گردی

لیکن خلیفہ یا امام کی اس توجہ و عنایت ہی نے حق کے ساتھ دشمنی بھی
کی۔ اس لیے کہ دیگر مقررین بارگاہ امت کو اُس پر حسد آیا خصوصاً بدرجائی
جو عساکر خلافت کا کمانڈر انچیف تھا وہ تو خون ہی کا پیاسا ہو گیا۔ آخر ایک دن
سوق پائے اُس نے حق کو چند فرنگیوں کے ساتھ ایک جہاز پر ڈالوا دیا جو اسی
وقت لنگر اٹھا کے سواحل افریقہ کا سفر کرنے والا تھا۔ حق کا کوئی زور نہ چلا
اور ہوا اور موجوں نے اُسے پیچ سمندر میں پہنچا دیا۔ حق کی بد قسمتی یا خوش
نصیبی سے سمندر میں ایک بڑا بھاری طوفان آگیا جس نے جہاز کو اس قدر
صدمہ پہنچا کہ اہل جہاز میں سے کسی کو بھی زندگی امید نہ باقی رہی۔ حق کی
کامیابیوں کی ابتدا اکثر ناکامیوں اور بد قسمتیوں ہی سے ہوتی رہی تھی چنانچہ
یہ طوفان بھی اُس کے لیے ایک بڑا ذریعہ ترقی ہو گیا۔ جب کہ سب جہاز و اسے
زندگی سے ناامید۔ مایوسی کے ساتھ ڈوبنے و درمرنے کا انتظار کر رہے تھے۔
اور کوئی اپنے ہوش میں نہ تھا حق کے ہوش و حواس بجا تھے۔ اس کا دل
اُس کے قابو میں تھا۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئی تدبیر سوچ رہا تھا۔

چنانچہ اس طوفان پر اُس نے ذرا بھی ہراس نہیں ظاہر کیا۔ اور پھر میر نے معجز
نمائی وغیب دانی کی شان اور خدا رسی کی آن بان کے ساتھ لوگوں سے
کہا: مگر میر سے نزدیک تو اندیشے کی کوئی بات نہیں خدا نے مجھ سے وعدہ
کیا ہے کہ ہم نہ دو دین گے۔ لوگوں نے حیرت سے اُس کی صورت دیکھی
اور کیا عجیب کہ بعض اُس کی اس بے فکری پر اس وقت ہنس بھی پڑے ہوں
مگر تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان جاتا رہا اور پانی میں سکون ہو گیا تو
سب دوڑ دوڑ کے اُس کے قدموں پر گر پڑے۔ اس کے خاص اور
مقبول بندہ خدا اور ایک بڑے زبردست ولی کامل ہونے پر ایمان
لے آئے۔ اور اُس کے معتقد ہوتے ہی سب نے دعوت اسماعیلیہ قبول
کر لی۔ حن کے مخالفوں کے ساتھ آج کل کے مورخوں کا بھی یہی خیال ہے
کہ حن نے یہ سمجھ کے اور اس بات کو پیش نظر رکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ
اگر جہاز غرق ہو گیا تو کوئی تکذیب کر نوا لا دنیا میں باقی ہی نہ رہے گا اور
اگر سچی ہو گئی تو پھر کسی کو میری ولایت میں شک نہ باقی رہے گا۔ بہر حال
جو کچھ میر یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور جہاز میں کوئی نہ تھا جو اُس کا معتقد
و معتبر تھا۔ ہو۔

چند روز بعد جہاز ایک ساحل پر پہنچا جہاں کا فرمان بردار
عیسائی تھا۔ اُس نے جہاز والوں کو سپاہی نہیں بلکہ ایک جہان گر وہ کے
ساتھ میں دیکھ کے شیخ حن صباح کی دعوت کی۔ اور بہ لطیف و مہربانی رخصت
کیا۔ یہاں سے چل کے چند ہی دنوں میں جہاز سواحل شام سے آگے جہاں
پہنچنے ہی حن نے جہاز کو چھوڑ دیا۔ اور خشکی ہی خشکی ایران کی راہ لی۔
اس سفر میں حلب، بغداد، خراسان، اصفہان، جیزہ، اور کرمان۔ غرض

ایشیائے کوچک اور ایران کے تمام مشہور بلاد و امصار میں گیا۔ اور ہر جگہ مذہب اسماعیلیہ کی منادی کرتا رہا۔ کرمان سے وہ پھر اصفہان میں واپس آیا۔ جہاں چار مہینے بٹھر کے خوشستان گیا۔

بیان تین مہینے قیام کر کے دامن کی راہ لی۔ وہاں تین سال تک طریقہ اسماعیلیہ پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ اپنے معتقد بنائے۔ اس کے بعد اور بہت سے مقامات میں پھرتا پھرتا قلعہ التمونہ میں پہونچا۔ اور وہیں قیام جمادینے۔

قلعہ التمونہ

التمونہ شہر قزوین کے علاقے میں صوبہ رودبار کا ایک قلعہ ہے جسے مع اُس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ قلعہ پہاڑوں کے اندر نہایت بلندی پر اور سخت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سلاطین و یلمین سے ایک بادشاہ کو شکار کا بے انتہا شوق تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ وہ شکار کھیلتا ہوا اس دشوار گزار مقام کے نیچے آ پہونچا۔ وہاں سے باز کو جوڑا یا تو وہ شکار مار کے عین اس قلعے کے مقام پر آگرا۔ بادشاہ اور ہمراہی دوڑتے ہوئے بڑے اور بیان پہونچ گئے۔ دیکھا تو ایک عجیب محفوظ اور دلچسپ تختہ نظر آیا۔ جس سے زیادہ مضبوط قلعہ کسی جگہ نہیں بن سکتا۔ بس اسی وجہ سے اُس نے یہاں ایک عالی شان قصر قلعہ کی شان سے تعمیر کرایا اور اس کا نام التمونہ رکھا۔ دلیوں کی اصطلاح میں یہ ایک خاص کلمہ تھا جس پر شکاری طیور سدھائے جاتے تھے۔ چونکہ وہ بادشاہ اور اُس کے لوگ اسی کلمے کو

چلا چلا کے کہتے ہوئے بیان پہنچے تھے لہذا وہی اس مقام کا نام رکھ دیا جو
چندر وزیر کے بعد التونت ہو گیا۔

حسن بن صباح نے چندر وزیر التونت میں رہ کے اور بہت سے لوگوں
کو اپنا مرید بنا کے وہاں کے قلعہ دار اور مالک سے ملاقات کی جس کا نام ہمدی تھا
اور ایک فاطمی شخص تھا۔ چونکہ وہ بھی اس کا معتقد تھا لہذا نہایت ہی ادب اور
حسن عقیدت سے دست بوسی کی جس نے کہا: ”یہ جگہ ایک ایسے کنج میں اور ایسی
عمدہ محفوظ گھاٹی میں واقع ہوئی ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ ہے۔ اور ہم
عزت گزنیوں کے مذاق کے بہت موافق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اتنی زمین جتنی
کہ ایک چرسہ کے اندر آ جائے مجھے مرحمت ہو۔ اور اُس کی قیمت میں میں تیرا
دینار دینے کو موجود ہوں“ یہ کہتے ہی اس نے دیناروں کی پھیلی ہمدی کے
سائے رکھ دی۔ ہمدی نے یہ ظاہر نفع دینے والی تجارت دیکھی اور ایک دینی
بزرگ کے قلعہ میں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں نظر آیا۔ روپیہ لے لیا۔ اور
اپنی منظوری سے شرائط مع پورے کر دیے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ حسن نے
ایک بیل کی کھال کی مہین مہین دھیمان کاٹ کاٹ کے اور اُنھیں ایک میں
جوڑ کے اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ سارا قلعہ اس کے اندر آ جاتا ہے تو بہت گھبرایا۔
مگر کیا کر سکتا تھا؟ سچ پوری چوکی تھی جس کے مریدوں کے ساتھ تمام خوش عقدہ
مسلمان بھی ایک دولتمند شخص کے مقابلہ میں ایک خدا شناس اور نیک
نفس زاہد کی تائید ضروری سمجھتے تھے۔ الغرض اس طریقے سے قلعہ التونت
حسن کے ہاتھ میں آیا۔

بعض دیگر معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے اس قلعہ پر یوں
نہیں بلکہ ایک اور طریقے سے قبضہ کیا۔ وہ یہ کہ خود ہمدی فاطمی اور تمام اہل

التموت جب اُس کے معتقد ہوئے اور حن کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کے حکم سے کوئی سربازی نہ کرے گا تو ایک دن قلعہ پر چڑھا چلا گیا۔ اور مہدی کے سامنے جا کے کہا: بھلو اور یہ قلعہ خالی کرو: مہدی محض ایک مذاق تصور کر کے ہنسنے لگا۔ مگر جب وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا تو حن نے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا کہ مہدی کو نکال دو۔ اس اشارے کے ساتھ ہی سب نے اُسے قلعہ سے نکال کے دامنِ مہج پہنچا دیا۔ اور اس کا مال و اسباب بھی اُس کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اور حن بن صباح قلعہ التموت کا مالک و مختار تھا۔ بہر تقدیر حن نے چاہے جس طریقے سے ہو قلعہ التموت پر قبضہ کیا۔ جو آخر میں اسماعیلیہ کا مرکز قرار پا گیا۔ اور اُن کی ساری کارروائیوں اور سازشوں کا صدر مقام بھی تھا۔

اس کا نیا مذہب اور اُسکی حکومت

اب حن اس مضبوط قلعہ میں بیٹھ کے بڑے استقلال اور لیاقت و جفاکشی سے اپنے مذہب کو دنیا میں پھیلانے لگا۔ اُس نے اگرچہ آخر تک اپنے آپ کو فاطمین مصر کا معتقد اور فرمان بردار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور اُن کی امامت کا نقیب و داعی بنا رہا لیکن حقیقت میں وہ برائے نام اور صرف پالیسی ہی سے اُن کا طرفدار تھا۔ عقائد اسماعیلیہ میں اُس نے کچھ ترمیم کی۔ بھرکے لاج میں نو ذمہ گریاں تھیں اس نے سات ہی رکھیں۔ اصل میں وہ ایک نئے مذہب کو بھی پھیلا رہا تھا۔ جس کا بانی یا مجتہد جو کچھ کہے وہ خود ہی تھا۔ حن کے مرید علاقہ روم و بار و قزوین میں روز افزون بڑھنے اور پھیلنے لگے۔ مذہبی تبلیغ اور دینداری کے لباس میں چپکے ہی چپکے اسماعیلیوں نے سارے روم و بار

کی حکومت بھی اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دی۔ مختلف جگہ اس کے عالی حوصلہ
معتقدوں نے قلعے بنائے اور خاص قلعہ آتمونت کے گرد بڑے بڑے عالی شان
محل اور باغ تعمیر ہو گئے۔ الغرض یہاں تک نوبت پہنچی کہ گرد و حوار کے حکمران
ڈرنے لگے کہ حسن بن صباح کہیں سارے ایران پر متصرف نہ ہو جائے۔

جب یہ خبر نظام الملک طوسی اور ملک شاہ سلجوقی کو پہنچی تو فوراً
فوج کشی کا سامان کیا گیا اور ارادہ ہوا کہ حسن بن صباح کا بالکل قلعہ و فتح
کر دیا جائے۔ بتھوڑے ہی دنوں میں نظام الملک کی بھیجی ہوئی فوجوں نے قلعہ
آتمونت کا محاصرہ کر لیا۔ حسن کو اس کا تو ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس مضبوط قلعہ
کو کوئی فتح کر سکے گا۔ گرد و شواری یہ ہوئی کہ قلعہ والوں کی ذرا اعت بالکل موتوں
ہو گئی۔ اور قحط کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ایسی حالت میں حسن نے ایک دوسری تدبیر
سے کام لیا۔ وہ یہ کہ اپنے ایک جانب از مرید کو بھیجا کہ جا کے نظام الملک
کو ارڈائے اسوقت شہر ہمدان اور رمضان کا مہینہ تھا۔ نظام الملک ملک شاہ
کے ہمراہ ہندوستان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور بغداد جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
نیک نفس وزیر روزہ انظار کر کے حرم کے خیموں کی طرف جا رہا تھا کہ ایک
روز کا استغیثوں کی صورت میں آیا۔ نظام الملک اس کی باتوں میں مشغول تھا
کہ رات کے بڑھ کے چھری سے کام تمام کر دیا۔ ملک شاہ کو اپنے وزیر کے
بارے جانے کا بڑا اصرار ہوا۔ اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ مہینہ بہ مہینہ
گردنے پایا تھا کہ خود بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا کام بھی حسن
ہی کے ایک مرید نے فریب سے جام نہر ہلاکے تمام کیا۔

وزیر اور بادشاہ دونوں کے مرنے کے بعد آتمونت کا محاصرہ
کیونکر قائم رہ سکتا تھا فوجیں واپس چلی گئیں۔ اور حسن بن صباح پھر اسی

آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی ترقی و ترویج میں مشغول ہو گیا۔ نظام الملک کے قتل میں جو کامیابی ہوئی اُس نے حن کی نظریں دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے اس طریقے کو نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت کیا۔ اور اُس نے علی العموم یہ تدبیر اختیار کر لی کہ جو کوئی سرتابی کرے وہ اسی طرح خموشی کے ساتھ قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ اُس نے ایسے جانناز سپاہیوں کے فراہم کرنے اور ایک باقاعدہ اور اصولی طریقے سے اُن میں اس کارروائی کی پوری یاقوت پیدا کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہ ایک ایسا فن جنگ تھا جس کی طرف شاید ابتدا سے تخلیق سے اس وقت تک کسی بادشاہ اور نقشن نے توجہ نہ کی ہوگی۔ یہ کام حسن بن صباح ہی سے شروع ہوا۔ اور اُسی پر یا اس کے جانشینوں پر ختم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ انسان بڑی شکون سے ایسا سیمہ باطن بن سکتا ہے کہ اس قسم کے ذلیل طریقے سے جان لینے کو اپنا جوہر سمجھے۔ اور بھراتنا مضبوط ہو کہ جب تک دم باقی ہے اپنے ارادے سے نہ باز آئے۔ حن کو اس میں پوری کامیابی ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ویسی کامیابی اور کسی کے لیے محال ہے۔

اُس کا زہد و اتقا

اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے اس نے پہلے تو اپنی مذہبی وقت اور اپنے تقدس کو زیادہ زہد دے کے لوگوں کے ذہن نشین کرنا شروع کیا۔ کچھ ایسی اقطاب و انبیا کی شان سے التوت میں بیٹھا جسے زیادہ موثر اور با عظمت بنانے والی کوئی حالت ہو ہی نہ سکتی تھی۔ کہتے ہیں کہ

قصر التہنوت کے کوٹھے پر اس طرح پاؤں توڑ کے بیٹھا کہ تین سال میں صرف دو مرتبہ زینے کے نیچے اترا تھا۔ وہ وہاں تنہا رہتا۔ مخصوصین کے سوا کسی سے ملتا جلتا بھی نہ تھا۔ شب و روز روحانی ریاضتیں کرتا۔ اور اپنے عقائد کے متعلق تصنیف و تالیف میں مشغول رہتا تھا۔ لوگوں سے اپنے اصول معینہ و مسلمہ شرعی کی پابندی کرانے میں اتنا سخت ہو گیا کہ کبھی کسی شخص کے ساتھ رعایت ہی نہ کی۔ اُس کے مذہب میں جرم اور مذہبی قصور معاف ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اور یہی امر شخص اور ہر مرد کے دل میں جایا گیا تھا۔ اس اصول میں اُس نے بیان تک استقلال دکھا یا کہ فطری محبت بھی اُس کے دل کو نرم نہ کر سکی۔ اُس کے بیٹے حنین نے ایک ہم مذہب کو جو کوہستان کا داعی تھا مار ڈالا تھا۔ حنین نے بلاتال قصاص کا حکم دے کے اسے قتل کر ڈالا۔ دوسرے بیٹے نے اتفاقاً شراب پی لی جس کو بیابندی شرح حنین بھی حرام بتاتا تھا جب اُسکی خبر حنین کو پہونچی تو اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ ایک دن کسی صاحب اثر شخص نے قلعے کے اندر بانسری بجائی۔ یہ بھی حرام تھا۔ حنین نے اُسے فوراً قلعے سے نکلوا دیا۔ شاید قلعے میں کوئی نہ ہو گا جس نے اسکی سفارش نہ کی ہو۔ مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ اور وہ نکال دیا گیا۔ حنین کی شریعت میں سچ یا امام کے حکم سے سزا دی کرنے یا اُس کی مذہبی اصطلاح میں یون کہا جائے کہ مسئلہ شرعی سے انحراف کرنے کی سزا قتل تھی۔ اور کسی طرح مائے نہ ٹل سکتی تھی۔ جس سزا کی تعمیل مذہب کے ساتھ حکومت اور زیادہ زور کے ساتھ کرتی تھی۔

اس کی جنت

باقی رہا یہ امر کہ اس کی تصدیق مذہبی ذریعے سے ہو۔ اور

معتقدوں کے دل کو سچائی کا قطعی یقین ہو جائے اس کے لیے حسن نے ایک بالکل نئی اور اچھوتی تدبیر نکالی تھی جس کی طرف اُس سے پہلے شاید کبھی کسی شخص کا خیال بھی نہ گیا ہو گا۔ اور اُس وقت سے آج تک غالباً کوئی شخص اس واقعے کو سن کے بے حیرت کیے نہ رہا ہو گا کہ آلتونٹ کے گرد کے سر سبز و شاداب کوہسار اور اُس کی وادیوں نہروں اور مرغزاروں میں ایک جنت بنائی گئی تھی وہاں کی نظر فریب وادیوں اور جان بخش مرغزاروں میں اچھے اچھے خوبصورت اور دلفریب مکان ٹہجے اور کونٹسکین تعمیر کی گئی تھیں۔ مکانوں کا اجلا پن اُن کی خوشنمائی اور مرغزاروں اور باغوں کی نرہمت و تروتازگی انسان کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھیں۔ خوبصورت سے خوبصورت اور نازک سے نازک پری و شمعینین ان مکانوں میں کثرت سے لاکھ رکھی گئی تھیں جن کی وضع کی سادگی اور جن کے حسن کی دلربائی ایک ہی نظر میں انسان کو یقین دلا سکتی تھی کہ یہ اس عالم کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ یہ جنت کوہستان کے اندر ہی اندر میلون تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ پہاڑوں کو جا بجا کاٹ کے اُس میں نہریں لائی گئی تھیں اور کوشش کی گئی تھی کہ کوئی شخص اُس کے اندر پہنچ جائے تو اسے ساعت بساعت زیادہ مسرت محسوس ہوتی جائے جس طرح کہا جاتا ہے کہ کہ فریسن بناتے وقت رازداری کے طریقے سے انسان کے دل پر خوف و وحشت کا بہت اثر ڈالا جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے اس کا دل مرعوب کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں کوشش کی گئی تھی کہ ہر آنے والے کے دل پر فرحت کا اتنا اثر پیدا ہو جائے کہ اس فرحت و مسرت کو وہ دنیاوی نہیں بلکہ دوسرے عالم سے متعلق تصور کرے۔ یہاں کی جو زمین اور

ہیان کے ظلمان تمام کاروائیوں کو عجیب رازداری سے انجام دیتے تھے۔ تمام چیزیں جن کے باہر سے لانے کی ضرورت ہوتی اس خوبصورتی سے فراہم کی جاتی تھیں کہ کسی کو کبھی سراغ بھی نہ لگ سکتا تھا۔ یہ جنت تھی جو حن پر ایمان لانے والوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اور جو اکثر معتقدین کی خوش عقیدگی کا مرکز تھی۔

اُس کے پیروں کے تین گروہ

یہ جنت بنانے کے بعد حن نے اپنے مریدوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا۔ داعی رفیق اور فدائی۔ داعی تو وہ لوگ تھے جو مشنریوں کی طرح ممالک دور دراز میں پھیلے رہتے۔ اور خفیہ ہی خفیہ لوگوں میں اُس کے مذہب کی تبلیغ کرتے۔ قسام سے لے کے کرمان اور سیستان تک شاید کوئی شہر نہ ہوگا جہاں حن بن صلاح کے داعی نہ پھیلے ہوئے ہوں اور نہ وہ حج دین کی کوشش نہ کر رہے ہوں۔ رفیق وہ لوگ تھے جو مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے۔ اُس کی دینی مجلس کے ارکان و مشر تھے۔ اور جن کو حن کے معتمد علیہ ہونے کی عورت حاصل تھی بگڑستہ نیا اور بگڑستہ زیادہ خطرناک تیلر گروہ فدائیوں کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حن کے حکم کی بلا عذر و بلا حجت آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے۔ ان پر خاص قسم کا مذہبی اثر ڈال کے نہایت ہی دینی داب و تکنت سے اُن کے ہاتھوں میں خنجر دیے جاتے۔ اور اس خطرناک گروہ میں وہ نرالی رسموں کے ساتھ شامل کیے جاتے۔ یہی لوگ تھے جن کے ہاتھ سے یہ خونخوار کام اجرا پاتا تھا کہ جس کے قتل کا اشارہ ہوتا اس کے پاس مختلف دھنوں اور لباسوں میں جاتے۔ اس سے لے کر اُس کے مزاج میں رسوخ پیدا کرتے۔ اُس کے معتمد علیہ بنتے۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی

فدائی تھے جنھوں نے حسن بن صباح کو دنیا میں ایک خاص کیرکیر ثابت کیا ہے۔ اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امرا اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور یہی تیسرا گروہ تھا جس کے دل پر اپنا پورا اثر ڈالنے کی اُسے ضرورت تھی۔ اور جن کے لیے قادیان الموت کی جنت بنائی گئی تھی۔

بھنگا جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں اُن دنوں ایک نامعلوم چیز تھی حسن ہی پہلا شخص ہے جس نے ایران و فارس میں سب کے پہلے اس بے ہوش کرنے والی چیز کا پتہ لگایا۔ اور اُس نے اس سے کام بھی لیا لیا جیسا کہ شاید کوئی شخص نہ دیکھا ہو گا۔ خوبصورت۔ توانا و تندرست اور قومی ہیکل نوجوان جو سیدھے سادھے ہوتے۔ اور بہت جلد ایمان لانے کی استعداد و قابلیت رکھتے۔ علاقہ طالقان و مرو سے منتخب کیے جاتے۔ اور مختلف مذاہب سے پھانس کے ادب آمادہ کر کے حش کے دربار دینی میں فدائی بننے کی عزت حاصل کرتے۔ انھیں کو یہ مقررہ یہ درجہ مقبولیت بھی حاصل تھا کہ ایک زمانے کی امیدواری و آرزو و مندی کے بعد حسن بن صباح حش حش کے اثر سے خاص اپنے سامنے اس طرح بیہوش کرتا کہ اُن کے دل میں کسی منشی چیز کے استعمال کا گمان بھی نہ گزرتا۔ بیہوش ہوتے ہی خاص ذریعہ اور خاص راستوں سے وہ مذکورہ بالا جنت میں پہنچا دیے جاتے۔ جہاں پہنچتے ہی وہ بیہوش رہا اور دستان حور و ن کے آغوش شوق میں آنکھ کھولتے اور اپنے آپ کو ایک ایسے عالم میں پاتے جہاں کی خوشیاں اور سروریں اُن کے حوصلہ اور اُن کے خیال سے بہت بالا ہوتی ہیں۔ پر فضا و دیون روح افزا و بشارتوں۔ جان بخش باغوں۔ اور نظر فریب امرغزاروں میں وہ سیرین کرتے حور و ن کی صحبت اُن کی دلستانی کرتی۔ شہار غواںی جس کے لبریز جام غلابا بہان شراب طہور کا نام لے کے ہاتھ میں دیے جاتے ہوں گے انھیں دنیاوی افکار سے بے پروا کر دینے الغرض

چہ سات روز یا اس سے کم ہمیش زمانے میں جب وہ اپنے دنیاوی مصائب کو بالکل بھول جاتے۔ اور اُن حسین و دلدار و کاشعار و اطاعت گزار حوروں کی محبت کا نقش اُن کے دل پر اتنا گہرا لیتا کہ زندگی بھر نہ مٹ سکے۔ تب ہی حوریں اسی حشیش کا ایک جام ملا کے اُن کو حن کے سامنے پہنچا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کے وہ اپنے آپ کو شیخ کے قدموں پر پاتے۔ اور بے اختیار قدم چوم کے زبان سے کہتے: مکن بیدار ازین خوابم خدا را۔

ان کو پھر جنت میں پہنچ سکے کی امید دلائی جاتی اور اُنہیں لوگوں سے جنت کی چاٹ پر لگا کے یہ ظالمانہ کام لیے جاتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کے دل پر گزشتہ لذتوں کا اتنا مضبوط اثر پڑ چکا۔ اور حوروں کی ہم کناری و محبت کی تصویر اس طرح آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی کہ حن کے حکم کی تعمیل میں نہایت ہی سچا خلوص دینی اور اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی و مستعدی دکھاتے کہ شاید جنت میں جلدی پہنچنے کا موقع ملے۔ یہ یقینی بات ہے کہ وہ حوریں ہر وقت کوشش کرتی ہوں گی کہ اُن کے دل کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ اور یہ یاد دلا کے کہ اُنہیں دنیا میں پھر جانا ہے روز سنے اور ہزار ہا قسم کے مضبوط وعدے لیتی ہوں گی کہ جس طرح بنے ہم سے جلدی ملنا اُن کے فراق کے دھڑکے کو وہ بہت بڑھا کے اپنی بیباکی ظاہر کرتی ہوں گی اور اپنے آپ کو اُن پر حد سے زیادہ فریقہ اور مفتون بنا کے فراق کے اندیشوں پر روتی، شوق وصال کی نہایت آرزو مند بنتی اور پھر ملنے کے ہزاروں وعدے لیتی ہوں گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان پر یہ جمال حوروں کے پاس سے جو شخص ایسے ایسے وعدے کر کے اور ایسی ایسی محبت کی بیباکیاں دیکھ کے آتا ہو گا۔ اور اس بات کا یقین رکھتا ہو گا کہ اُس عشرت کدہ لازوال

مین رسائی! تو شیخ کے حکم کی تعمیل سے ہو سکتی ہے یا مرنے کے بعد وہ جو نہ کر سکا
تھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر قدرائی ہر وقت جان دینے کو تیار رہتا۔ اور جتنی جلدی
اُسے جان دینے کی اجازت ملتی اتنا ہی زیادہ ممنون احسان ہوتا۔ یہ باضابطہ
اور جاننازہ فرج تھی جس کو حسن نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا اثر پھیلانے کے
لیے مرتب کیا تھا۔

حسن بن صباح اور سلطان سنجر

یہ قوت اور یہ فرج ابھی اچھی طرح مرتب نہیں ہو چکی تھی کہ سلطان سنجر
نے جو ملک شاہ کے بعد ایک بڑی اور زبردست سلطنت کا مالک ہو گیا تھا حسن
بن صباح کا حال سنا اور اپنی فرج لے کے چلا کہ ایران میں اسماعیلیوں کی قوت کا
خاتمہ کر دے حسن مین اُس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس
طریقہ جنگ کا مرد میدان نہ تھا۔ اُس کی کامیابی کے اسباب دوسرے ہی تھے۔ اور
اُسی قسم کے تھے جیسے کہ نظام الملک کی جان لینے وقت کام مین لائے گئے حسن نے
اب کی یہ کوشش کی کہ سنجر کو قتل تو نہ کرائے مگر اُس کے دل پر اپنا رعب پورا بٹھا دے
چنانچہ خاص سنجر کے کسی خانگی اور خاص ملازم کو رشوت دے کے یا اپنا معتقد بنا
خاص اپنا ایک خنجر دیا جس پر اُس کا نام کندہ تھا۔ اور کہا کہ رات کو اسے نہایت
خوشی کے ساتھ اور اس طرح کہ کسی کو بفر نہ ہونے پائے فلان تاریخ سلطان
سنجر کے خواب گاہ مین اُس کے سرانے رکھ دیا۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا تعمیل ہو گئی
سنجر صبح کو آنکھ کھولتے ہی وہ خنجر دیکھ کے پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور بری
خواب گاہ مین آنے کی کیسے جرات ہو سکتی تھی۔ دل مین خائف تھا۔ اور خوشی کے

ساتھ تفتیش کر رہا تھا کہ حسن کا خط پہنچا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ "اگر سلطان کو
 بن اچھا نہ سمجھتا تو وہ خنجر جو انھیں اپنے سر کے پاس ملا اپنے دل کے اندر تیرا
 ہوا ملتا۔"

اس خط کے پڑھتے ہی خنجر کے حواس جاتے رہے۔ دل ہی دل میں
 کا پٹنے لگا۔ اور اس قدر مرعوب ہو گیا کہ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت
 نہ ہوتی تھی۔ فوراً شرائط صلح پیش ہوئے اور صرف ان میں شرطوں پر حسن سے
 صلح ہو گئی۔

۱۔ اسماعیلیہ فریق والے اپنے قلعوں کے متعلق کوئی جدید فوجی عمارت نہ
 تعمیر کریں۔

۲۔ جدید اسلحہ جنگ یا گولہ اندازی کی کلین (منجنت) نہ خریدیں۔
 ۳۔ اور اس کے بعد سے حسن بن صباح کسی نئے شخص کو اپنا معتقد و مرید بنا
 معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ڈر جانے کے خنجر نے اس کی بڑی کوشش
 کی کہ حسن کی قوت زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ اگرچہ اس معاہدے میں اس نے یہ
 بہت بڑی رعایت کی تھی کہ شیخ الجبال کے لیے (جس نام سے کہ حسن اب مشہور
 تھا) محاصل ختم کا ایک حصہ بطور وظیفہ کے مقرر کر دیا۔ تاہم اسے فوجی قوت
 بڑھانے سے بالکل روک دیا تھا۔ حسن کو بھی ان شرائط کے تسلیم کر لینے میں کوئی
 عذر نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جس سپاہ سے وہ کام لیتا تھا اس کو ایک چھری کے سوا
 نہ کسی حربہ جنگ کی ضرورت تھی اور نہ منجنتوں کی۔ اس کو اب کسی جدید قلعہ کی بھی
 حقیقت میں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ پہاڑوں کے سلسلہ میں جو صد ہا قلعہ چلے گئے تھے
 سب اس کے قبضہ میں تھے باقی رہی صرف ایک بات وہ یہ کہ کسی نئے شخص کو اپنا
 مرید نہ بنائے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جس کی پابندی بہ ظاہر حسن پہلے ہی سے کر رہا تھا۔

اس لیے کہ بنی فاطمہ کے تمام داعی جن لوگوں کو اپنا مرید بنا لیا اور جن سے بیعت لینے بالکل چھپا کے لیے۔ اگرچہ اُس عہد میں ہر مغلوب مذہب اور ہر گروہ کے داعیوں کا یہی طریقہ تھا مگر خاصۃً ان لوگوں میں ایک عادت کے مثل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ لوگ باطنیین کہلاتے تھے یعنی تمام کارروائیاں اور کل سازشیں پوشیدہ ہی پوشیدہ ہوتی تھیں۔ اسماعیلیوں کا اصول آج تک یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے خوف بھی تفتیح کرتے ہیں۔ لہذا سحر نے ایک ایسی قید لگائی تھی جس کی پابندی حسن اور اُس کے معتقدین پہلے ہی سے کر رہے تھے۔

اسماعیلیہ قرامطہ اور باطنیہ کا امتیاز امامت کی مختصر تاریخ

ان دنوں یہ گروہ پانچ ناموں سے نامزد تھا۔ اسماعیلیہ قرامطہ۔ باطنیہ۔ ملاحدہ اور خدیشین اسماعیلیہ وہ عام اور اصلی نام ہے جو مصر سے لے کے ہندوستان تک تمام طرف داران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لیے مخصوص تھا جن کا داعی تھا کلامت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے صاحبزادے اسماعیل پر منتقل ہوئی۔ جن کی نسل میں کئی مخفی اور پوشیدہ اماموں کے بعد مہدی کو امامت ملی جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا۔ اور اُس کے بعد اُسی کی نسل میں امامت رہی۔ اس نام کے مجاز اصل میں صرف وہی لوگ تھے جو مصر میں تھے یا وہاں کے فاطمی خلفائے بلا واسطہ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے داعیوں اور نقیبوں نے مشرق میں جو نئے نئے شگوں کھلائے وہ ہمیشہ ایک نئی صورت اور نئی وضع میں نمودار ہوتے رہے۔ اور نئے نئے ناموں سے نامزد کیے گئے۔ چنانچہ سب کے

پہلے جس شخص نے ان فاطمین کے نقیبوں کی طوفاری کر کے خلافت عباسیہ
 نے بغاوت کی اُس کا لقب قرامطی تھا۔ وہ بظاہر تو فاطمین مصر کو ماننا تھا مگر
 حقیقت میں ان لوگوں کے نام سے سوا پولیسکل فائدہ اٹھانے کے اُس کی
 اور کوئی غرض نہیں نظر آتی۔ اُس کے معتقدین قرامطہ کہلاتے تھے۔ قرامطہ کی
 قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ تمام ملک شام کو تباہ کر دیا۔ خاص سادات بنی
 فاطمہ کی سخت توہین اور بے عزتی کی۔ خانہ کعبہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے۔ اور
 حجر اسود کو کھردر کے عمان میں لے گئے۔ جہاں اُن کا مرکز تھا۔ آخر میں یہ خلفا
 مصر کی گرفت سے بھی باہر ہو گئے تھے۔ اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان
 کے دست ستم سے چرخ اٹھا تھا۔ ان کا مذہب بالکل جدا تھا جس کے اصول ان
 کے مخالف اور دشمن مورخین کی زبانوں پر ہم تک پہنچے ہیں اُن میں یہ بے اعتدالی
 ضرور نظر آتی ہے کہ باتو اتنی سختی کہ انسان پر پانچ کی جگہ سچاس نامائین فرض ہیں
 یا اتنی آزادی کہ شراب تک حلال ہے۔ عقائد بالکل عقلی اصول اور معتزلہ کے
 شکوک سے لیے گئے تھے۔

یہی مذہب اسماعیلیہ تھوڑے زمانے کے گزرنے کے بعد جب مشرق
 میں دوبارہ حسن بن صباح کی عجیب و غریب کوششوں سے نمودار ہوا تو
 بالکل نئے رنگ اور نئی وضع میں تھا۔ اب وہ علانیہ مذاہن نہ تھیں بلکہ خفیہ
 شازشوں کا بازار گرم ہوا۔ اب یہ لوگ قرامطہ نہ تھے بلکہ باطنیہ اور حشیشین کہلاتے
 تھے۔ جن کی وجہ تسمیہ بھی اوپر معلوم ہو چکی۔ باطنیہ کے جانے کا ایک سبب اور
 بھی تھا۔ جس کو فتن ان کی ان باطنی شازشوں سے نہیں بلکہ ان کے عقائد سے
 اس موقع پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم فرقہ اسماعیلیہ کے اختلاف
 اور اُن کے عقائد کو بھی بیان کر دیں۔ اگرچہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا مگر

اکثر جناب کو بیت سی ایسی باتیں معلوم ہو جائیں گی جو اس وقت تک نہیں معلوم تھیں
طرفداران اہل بیت نبوت اور شیعیان علی مرتضیٰ میں پہلا اختلاف امام زین العابدین
علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید کے وقت سے پیدا ہوا۔ حضرت زید کی حصول
یہ بتائے جاتے ہیں کہ اول تو آپ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو سب
افضل نہیں جائز ہے کہ بہ مصلح اپنے سے زیادہ برگزیدہ لوگوں پر امام مقرر
کر دیا جائے۔ اور اسی بنا پر آپ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو جائز اور حضرت علی مرتضیٰ
کو سب سے افضل و اعلیٰ بتاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ نہیں جائز تھا کہ حضرات ابوبکر
و عمر کی نسبت بڑے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ آپ کے متبعین کا پہلا گروہ جو شیعوں
سے متحد ہوا وہ زید یہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور ان میں چند روز بعد اور
تفریقین بھی قائم ہو گئیں۔ زید یہ کے نزدیک امامت بارہ مرتبہ تھی۔ اور نہ یہ غزوہ
تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی امام ہو۔ بلکہ جائز تھا کہ متعدد ائمہ معاصر ہوں۔ اور
اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک امامت کے خلوت سے آراستہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے نہایت
رسالت کے کئی یا دو گاروں کو ایک ہی وقت میں امام تسلیم کر لیا۔

زید یہ تو گویا علیحدہ ہو گئے۔ مگر جو لوگ امامت کو جناب امام باقر علیہ السلام
کی نسل میں لے آتے تھے ان میں آگے بڑھ کے ایک دو سر اختلاف پیدا ہوا جو
پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مستقل تھا۔ ان لوگوں میں امامت کا سلسلہ اس ترتیب
سے آیا تھا کہ علی مرتضیٰ و حسین علیہم السلام کے بعد جو تھے امام جناب زین العابدین پھر
آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے امام محمد باقر اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے
امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہیں۔ اگرچہ ہر امام کے بعد دوسرے امام کے انتخاب کے
وقت اختلافات پڑتے۔ اور نئے فرقہ پیدا ہوتے رہے تھے۔ مگر ایسا اختلاف جو ان
باقی ہے اور جس نے دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا امام جعفر صادق کے بعد ہی پیدا ہوا۔ آپ کے

دو صاحبزادے تھے۔ ایک اسمعیل جو محمد نام ایک صاحبزادے کو چھوڑ کے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں داخل بحق ہوئے۔ اور دوسرے امام موسیٰ کاظم جو شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام ہوئے۔ اور جن کی نسل سے بارہ اماموں کا وہ سلسلہ پورا ہوتا ہے جن کو شیعہ اثنا عشریہ آج تک صحیح اور برحق مانتے ہیں۔

اسمعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل چند روز بعد ارض مغرب میں پہنچی اور ایک مدت کی گمنامی کے بعد یہ خاندان اس شان سے اور اس دعوے کے ساتھ نمودار ہوا کہ امام جعفر صادق کے بعد امام برحق موسیٰ کاظم بنین بلکہ اسمعیل بن جعفر صادق تھے۔ اور جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اسمعیل بن جعفر صادق کا انتقال تو پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ امام کی زندگی ہی میں امامت کا دوسرے پر منتقل ہو جانا جائز ہے۔ اس خاندان کو آخر حکمرانی کا موقع مل گیا۔ اور جب اس کی سلطنت اقصائے مغرب سے لے کے شام و عرب تک پھیل گئی تو اس کے دعوے میں خود بخود زور بھی پیدا ہو گیا۔ اور لوگ کثرت سے اُس کے پیرو ہونے لگے۔ یہی لوگ اُصلی اسمعیلیہ ہیں۔ انھوں نے پہلا خیال یہ ظاہر کیا کہ امامت کے لیے بارہ کی قید نہیں۔ بلکہ امام بہت سے ہو سکتے ہیں۔ مگر ان ہر امام کے بارہ نقیب البتہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ شیعوں کی غلطی ہے جو بارہ کے عدد کو اماموں کے ساتھ ملائے ہیں۔ بلکہ یہ عدد نقبا کے لیے مخصوص ہے۔ امامت کے ساتھ وہ سات کے شمار کو ملائے ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ یہ ضرور نہیں کہ سات پر اماموں کا شمار ختم ہو جائے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ سات سات کے سلسلے متواتر چلے جاتے ہیں یعنی پہلے سات امام ہوئے۔ اُن کے بعد پھر سات اور اسی طرح پھر سات اور اسی اصول سے کہتے ہیں کہ اسمعیل ساتویں امام تھے اور اُن کے بیٹے محمد کو جد امام بنین کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ سابع امام تھے۔ یعنی ساتویں ہی امامت کا انھوں نے مکملہ کیا۔ یہ سات تو اُن کے امام ظاہر ہیں پھر اُن کے بعد سے تین امام باطن گزرے جو دنیا میں نمودار نہیں ہوئے۔ مگر جتنی بیٹھے رہے۔

مگر ان کے نقیب صلیانیہ ہایت خلق اللہ کرتے تھے۔ پہلے فتشور بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے صیب۔ یہ تین امام مخفی تھے۔ ان کے بعد سے پھر الامان ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلا جید اللہ ممدی ہے جو خاندان فاطمیین مصر کا بانی تھا۔ دوسرا ابوالقاسم محمد جن کا لقب انقاسم بامر اللہ تھا۔ تیسرا اسمعیل جن کا لقب منصور تھا۔ چوتھا محمد الملقب بہ المعز لدین اللہ۔ پانچواں نزار الملقب بہ عزیز باللہ۔ چھٹا منصور الملقب بہ الحاکم بامر اللہ ساتواں علی جن کا لقب الظاہر اعزاز دین اللہ تھا۔ ظاہر کی خلافت کے زمانے میں چار سال تک تمام انتظام مملکت اُس کی پھونپی ست الملک کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ابو نعیم محمد الملقب بہ المستنصر باللہ ہوا اسی مستنصر سے حسن بن صباح آگے ملا تھا۔

ان لوگوں نے یہ عجیب خیال پیدا کیا تھا کہ جب تک امامت مخفی رہتی ہے اس وقت تک نقابت اور دعوت ظاہر رہا کرتی ہے۔ اور جب امامت ظاہر ہو جاتی ہے تو نقابت اور دعوت مخفی طریقوں سے ہونے لگتی ہے۔ اور یہی پہلی بنا ہے جس نے اندرونی رشتہ دہانیوں اور سازشوں کو جنم دہا بنا یا۔

یہ اعتبار امامت اپنے خاص عقائد کے اس مذہب نے اس شان مغرب میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب اُس کے داعی پھیلے تو حکومت عباسیہ کی قلمرو میں اکثر وہ لوگ جو اپنے حکمرانوں سے بغاوت یا مخالفت کا حوصلہ رکھتے تھے انھوں نے بھی اس دعوت کو صرف ضرورت کے لیے قبول کر لیا۔ مگر ہمیشہ نئے اصول اور نئے عقائد دنیا کے سامنے پیش کیے۔ ابتدا سے دعوت میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ جن کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انھیں کے دوسرے ہم خیال اور ہم اغراض حسن بن صباح کے مرید بھی باطنیہ تھے۔ حسن بن صباح کی کوشش نے بھی مذہب کو جس رنگ کا جامہ پہنایا وہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا۔ مذکورہ بالا اصول امامت کے تسلیم کر لینے کے بعد اس نے الیات کے نازک اور دقیق مسائل پر غور کر کے مسلمانوں کے خدا کو بھی

یونانی فلسفیوں کے خدا کی طرح مجرد عن المادہ کے درجے سے بڑھانے کے معرطی
و معطل سا بنا دیا۔ اُس نے ہمارے تکمیل کی طرح یہ نہیں کہا کہ واجب الوجود
عوالم کے جمیع صفات عین ذات ہیں۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ اس میں کوئی صفت ہی
نہیں۔ اُس نے کہہ دیا کہ اگر صفات اُس میں ہوں تو وہ مخلوق کا سا ہو جائے اور
تشبیہ لازم آئے۔ لہذا اُس کی طرف کسی صفت کی نسبت نہیں کیجا سکتی۔ اور یہ صفات
جو اُس کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں تو اس اعتبار سے نہیں کہ اس
میں موجود ہیں بلکہ ایک دوسرے اعتبار سے اُس کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے
نہیں کہ اُس میں قدرت ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ اُس نے دوسروں کو قدرت
عطا کی ہے اور اسی طرح اس کی جانب جملہ صفات کی نسبت محض اس سبب سے
کی گئی ہے کہ اُس نے مخلوق کو وہ چیزیں عطا کی ہیں۔ ان صفات ہی کی تخصیص
ہے جن نے دراصل خدا کی ذات کو بھی شبہ میں ڈال دیا۔ اُس کا خیال ہے کہ
خدا کے ساتھ لفظ وجود کو بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ نہ ہم اُسے موجود کہہ سکتے
ہیں اور نہ غیر موجود۔

باطنیہ کے ان عقائد میں ہمارے ناظرین کو شاید بہت کم
لطف آئے گا۔ لہذا ہم اُن کا خاص وہ عقیدہ بتا دیتے ہیں جس کی وجہ
سے وہ باطنیہ کہلائے۔ ان کے نزدیک ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے۔
اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا اصول تھا جس کی بنا پر
احکام شرعی میں ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ ہر حلال حرام ہو جائے
اور ہر حرام حلال کر دیا جائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جس طرح مصر میں ہر خلیفہ
کے عہد میں مذہب ہمیشہ ایک نئی شان سے ظاہر ہوا۔ اسی طرح حسن بن صباح
کے بعد ائمہ یمن و زیدی ترمیمین ہوئے۔ کبھی جائز باتیں حرام تھیں اور کبھی حرام باتیں

حسن بن صباح کے مرید اور ان کے ہاتھوں دنیا میں ہل چل

باطنیزین کے عقائد کو بالاجمال بتا کے اب ہم پھر حسن کے حالات کی طر توجہ کرتے ہیں۔ درحقیقت حسن کو اپنے معتقدوں اور پیروں میں جو مقبولیت اور وقت حاصل تھی شاید کسی بادشاہ اور فرمان روا کو بھی نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ خود خلفائے بنی فاطمہ مصر حسن کی مشعل سے حسن نے اپنا چراغ جلایا تھا وہ بھی اپنے معتقدین میں کبھی وہ رتبہ نہیں حاصل کر سکے جو حسن کو اُس کی جنت اور ظاہری بے نفسی و ریاضت سے حاصل ہو گیا تھا۔ اُس کے حکم سے یا اُس کے اڈنے اشارے پر جان دیدنیا لوگ اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرتے تھے۔ اور جنت کے شوق نے موت کو بالکل ایک معمولی بلکہ خوشگوار چیز بنا دیا تھا۔

ملک شاہ نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے حملے سے پیشتر حسن کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی جس کے ذریعہ سے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ بھلائی چاہتا ہے تو فوراً قلعہ التمنت خدام سلطان کے سپرد کر دے۔ حسن نے اس موقع پر اپنا رعب و داب اور اپنا عجیب و غریب اثر دکھانے کے لیے اُس قاصد کے سامنے ایک خادم کو بلا کے خود کشی کر لینے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اُس خادم نے اپنا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے خادم کو اشارہ کیا جو فوراً ایک بلند میز پر چڑھ گیا۔ وہاں سے نیچے پھانسی پڑا۔ اور دم بھر میں تڑپ کے مر گیا۔ یہ وہ وحشت ناک تماشہ دکھانے حسن نے ملک شاہ کے سفیر کو واپس بھیجا۔ اور قلعہ کی حفاظت کا سامان کرنے لگا۔

اس طرح اپنی قوت خوب بڑھا کے اور اپنے لشکر کو ایسے جانناڑ
 سپاہیوں سے آراستہ کر کے حسن بن صباح نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی
 اور نقیب پھیلا کر شروع کر دیے۔ اور چند ہی روز میں ترکستان سے لے کر مصر
 تک کوئی جگہ نہ تھی جہاں اُس کے اصول نہ یہی کی تلقین نہ ہو رہی ہو۔
 جب یہ خبر اطراف عام میں پھیلی تو ساری دنیا اسلام میں ایک
 تھکے پڑ گیا۔ سلاطین گھبرا گھبرا کے چونک پڑے۔ اور علماء و مقتدیان ملت نے فدیوں
 اور اسماعیلیوں کے خلاف کفر دہے دینی کے فتوے جاری کیے اور عام طور پر
 ہر جگہ حکم دیدیا گیا کہ جو کوئی اپنے آپ کو فدائی بتائے یا اُس پر فدائی ہونے کا
 اشتباہ ہو فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ ان احکام کا یہ نتیجہ ہوا کہ خراسان سے
 بحیرہ روم کے سوا حل تک ہر جگہ قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا جہاں کوئی
 فدائی مل جاتا فوراً قتل ہوتا۔ مگر اس مخالفت و عداوت سے بجائے اس کے
 کہ فدائیوں کی قوت ٹوٹے یا حسن بن صباح کی دھاک میں کسی قسم کا فرق آئے
 ان سرکھٹ لوگوں میں اور زیادہ جوش پیدا ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے
 زیادہ اصول ساز و داری کو عمل میں لائے اور اپنے دشمنوں کو زیادہ
 سرگرمی سے قتل کرتے۔

حلب کا باطنی حاکم رضوان

اسی زمانے میں حسن بن صباح کے مقلدین کا قدم سرزمین شام
 میں جم گیا۔ اتفاقاً ان دنوں حروب صلیبیہ کے پہلے حملہ آوروں کا سیلاب
 سرزمین شام سے گزرا تھا۔ اور بیت المقدس میں مسلمان بلا اشتباہ و اتیان
 قتل کیے گئے تھے رضوان نامی ایک شخص نے جو شہر حلب کا مالک تھا نہایت

اسماعیلیہ قبول کر کے ایک طرف تو عیسائیوں سے دوستی پیدا کی دوسری طرف
 خدائیوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زیر حمایت لے کے علی العموم مسلمانوں
 کو قتل کرا اور شروع کیا۔ مگر رضوان کے مرتے ہی معاملہ منعکس ہوا۔ عام مسلمان
 بلوہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور جتنے اسماعیلی اور خدائی۔ بے سب کو قتل کر ڈالا
 اور کہتے ہیں کہ بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ لیکن خدائی بھی اپنی کارروائیوں سے
 غافل نہ تھے۔ ان کے تین پر جوش جانا زون نے خلیفہ بغداد کے بھروسے دربار
 میں اور سب لوگوں کو دیکھتے دیکھتے دشق کے خدائی ایک کے دھوئے میں انی خراسان پر ایک سال
 حملہ کر دیا۔ اور اس کی جان لیے بغیر رہے۔ اسی طرح اور کئی صوبوں کے گورنر
 بھی مارے گئے۔ اور یکایک ان لوگوں کی اس قدر ہیبت دلون میں مٹ گئی کہ
 بعض بعض حکمرانوں نے اپنے پہاڑی اور مضبوط قلعے آپ ہی سمار کر دیے۔
 کہ حسن بن صباح مانگے گا تو دینا پڑیں گے۔

حسن کی وفات

آخر مدت ہائے دراندگی عزت گزینی و ریاضت اور پختہ برس کی
 حکمرانی کے بعد جمادی الثانی ۱۸۷ھ میں حسن مرض موت میں مبتلا ہوا۔ اور
 جب یقین ہو گیا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے تو فوراً اپنے ایک قلعہ دار اور
 معتد علیہ کیا بزرگ کو بلا یا۔ اور تمام امور انتظامی کی باگ اس کے ہاتھ میں
 دیدی اور وصیت کی کہ میرے بعد محمدی حیثیت حاکم اعلیٰ کی رہے گی۔ مگر
 نظم و نسق سلطنت کی خدشاہ اعلیٰ کے سپرد رکھنا۔ اور فوجی خدمت امیر المومنین
 حسن نصرانی کے ہاتھ میں رہے۔ یہ وصیت کر کے چھبیس ماہ ذکر کو اس کی روح
 حقن غصری سے پروا نہ کر گئی۔

اُس کا جانشین کیا بزرگ

کیا بزرگ بادشاہ آلتونٹ اور اس جدید اسماعیلی لاج کا گر نڈا سٹر
یاد اعی الدعات قرار پایا۔ حسن کی طرح اس نے بھی فدا یون ہی کے بل پر حکومت
کی اور اس پر جوش گروہ کو اور ترقی دلانے لگا۔ اس کے عہد میں بہت سے
حکمرانوں نے باہم مل کے ارادہ کیا کہ آلتونٹ کے قتلے کا خاتمہ کر دیں۔
خصوصاً ان متحد حملہ آوروں میں سے سلطان سنجر کے جانشین سلطان
محمود نے اس مہم میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ چنانچہ اس نوجوان
نے حملہ کر کے قلعہ آلتونٹ پر قبضہ کر لیا۔ اور باطنیوں کو سخت نقصان پہنچایا
مگر سلطان محمود کے مرنے کے بعد کیا بزرگ پھر اپنے اس پرانے قلعے اور اصلی
نام پر قابض ہو گیا۔ اور اب اُس کی حکومت قرظین تک پھیل گئی۔

ان دنوں فاطمیوں میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے شہر
گیلان میں دعویٰ امامت کیا تھا۔ کیا بزرگ نے پہلے تو اُنھیں دھمکی دی
مگر جب دھمکی کے جواب میں اُن کا عتاب آمیز خط آیا تو ایک فوج بھیج کے
اُنھیں شکست دی۔ گرفتار کر لیا۔ اور خاتمہ یہ ہوا کہ وہ بچا رہے ان ظالم
و خو خوار دشمنوں کے ہاتھوں آگ میں زندہ جلا دیے گئے۔

شام میں اگرچہ فی الحال باطنیوں کا زور نہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک
طرف تو سلطان امرا کا قلعہ و منع کر رہے تھے دوسری طرف خود عیسائیوں
سے بھی اب تعلقات نازک ہو گئے تھے۔ مگر باوجود اس کے فدا یون
کے جوش میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے لگی تھی۔ آٹھ فدا یون نے حکمران موصل
پر ایک رات حملہ کر دیا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ ان میں سے سات تو گرفتار ہوئے

ماتے گئے۔ مگر ایک بھاگ کے بچ گیا۔ ان لوگوں کی عقیدت مندی اور جنت کے یقینی امیدوار ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ اُس کی ماں کو پہلے اس کے ماتے جانے کی خبر ملی تھی جسے سن کے وہ بہت خوش ہوئی۔ کپڑے بدلے۔ خوشبو لگائی۔ اور عید کے سے ٹھانڈے کر کے بیٹی تھی کہ معلوم ہوا زندہ ہے فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کے پھینک دیے کہ افسوس میرا بیٹا شہادت اور ایک درجہ اعلیٰ سے محروم رہ گیا! یہ اثر تھا جو حقن کی کوششوں سے مرد و مرد و عورتوں تک کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔

اسی عہد میں آٹھواں فاطمی خلیفہ مصر بھی فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس لیے کہ حقن کے معتقد اُسے جائز وارث و امام نہیں تسلیم کرتے تھے بلکہ وہ تزار کی امامت کے معتقد تھے جسے وزیر مصر افضل کی شانہ شوہن سے باپ کی خاندانی حکومت و امامت نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس کے اٹھ سال بعد خود خلیفہ المسترشد باللہ عباسی فدائیوں کے ہاتھ سے سرباز مارا گیا۔ اور اُس کے قتل میں اس قدر ہیبت سے کام لیا گیا کہ ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ اور لاش برہنہ سڑک پر ڈال دی گئی۔ ان خلیفوں کے علاوہ اسی کیا بزرگ کے عہد میں ان فدائیوں کی سم آلود چھریوں نے خاص ابو سعید ہروی دولت شاہ فرمان روا اے اصفہان آتی شوق حاکم رافعہ ابوالقاسم حسن مفتی قزوین کے ایسے ایسے نامی گرامی لوگوں کو بھی جام شہادت پلایا۔

محمد بن کیا بزرگ

کیا بزرگ کے بعد اُس کا بیٹا محمد التہمت کے تحت پر بیٹھا۔ اور اُس کی

ماجداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ خلیفہ بغداد الرشید باللہ اُس کے فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رشید نے اپنے باپ استرشد کے خون کا انتقام لینے کا سامان کیا تھا۔ اور ایک فوج جمع کر کے روانہ ہوا تھا کہ راستے ہی میں چار فدائیوں کے ہاتھ سے اپنے شاہی خیمے میں سوتا ہوا مارا گیا۔ رشید باللہ کے مارے جانے کی خبر جب ائمہ نیت میں پہنچی تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ ان تمام پیار لیون پر جو قلعہ ائمہ نیت کے گرد گرد حلقہ کیے ہوئے ہیں سات شبانہ روز تک فوج بت بختی رہی ہر طرآن خوشی کے چہچہ تھے۔ اور ہر شخص اتمہ سے زیادہ مسرور و محظوظ تھا۔

فدائیوں کا زور اور ان کا دستِ ظلم

اس امر کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ ان سنگدل فدائیوں کے ہاتھ سے کتنے آدمی مارے گئے یہی بتانا کافی ہے کہ انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر مذہب میں سے کوئی گروہ نہیں بچا تھا جس میں فدائیوں کے خنجر نے کوئی کمی نہ پیدا کر دی ہو۔ فرمان رواے ائمہ نیت جو شیخ الحبال کہلاتا تھا اس کے جانشان کا رگزار ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر خاندان میں موجود تھے جس کسی کا نام اس خونخوار شیخ کی خون آلود دست میں لکھ گیا پھر اسے کہیں بیاہ نہ مل سکتی تھی۔ مساجد کی حرمت۔ قلعوں کی مضبوط دیواریں۔ اور گھروں کے مقفل دروازے سب اُس کے لیے بیکار تھے۔ کوئی شخص جس طرح دشت بے گیاہ میں تنہا ہونے کی حالت میں خائف تھا۔ اسی طرح بڑے بڑے زبردست لشکروں کے جھرمٹ میں بھی ان فدائیوں سے کانپا کرتا تھا۔ یہ فدائی صرف اتنی ہی غرض رکھتے تھے کہ چاہے مرین یا جینن مگر جس کے قتل کا حکم ہو اسے نہ چھوڑیں دشمنوں سے انتقام لینے ہی کے لیے یہ خون آشام کارروائی نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی صرف روپیہ فراہم کرنے یا دوستوں کے غول

کرنے کے لیے بھی لوگوں کی جانیں لیجاتی تھیں۔ جو فدائی اپنی خدمت ادا کرتے
 مین مارے جاتے شہید خیال کیے جاتے ان کے پس ماندوں کو قیمتی تحفے دیے
 جاتے۔ اور اگر وہ غلام ہوتے تو انھیں آزادی کی دولت ملتی۔ اس طرح تاج
 سردی اور اپنے دوستوں کو دنیاوی فائدہ پہنچانے کے لیے وہ مسم کھانے
 گھر سے نکلنے اور جس کی جان لینا ہوتی وہ جہان ہوتا جا پہنچتے۔ اس کام میں وہ
 کی مطلق پروا نہ کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ موت ہی کو کامیابی سمجھتے تھے۔ جیسے بدل
 بدل کے انھوں نے اکثر بڑا عظم ایشیا کی پوری مسافت قطع کی۔ بلکہ بعض اوقات یورپ
 میں بھی قدم رکھا اور ایک کوائے سے دوسرے کوائے پر جا پہنچے۔ ان کی گریہوں
 نے ان دونوں ساری دنیا میں اس قدر وحشت اور بدگمانی پیدا کر دی تھی کہ کسی کو
 اس امر کا اطمینان کر لینا غیر ممکن تھا کہ یہ راہب جو کلیسیا کی قربان گاہ کے سامنے
 گھٹنوں پر گھڑا عبادت کر رہا ہے۔ یا یہ مہمان جو دسترخوان پر ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے
 شیخ الجبال کا فدائی تو نہیں۔

اس امر کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا تھا کہ یہ سلطنت جو حاصل کی جاتی ہے اپنے
 لیے نہیں بلکہ امام غائب کے لیے ہے جو عنقریب ظاہر ہوں گے۔ ان کے غیہ راز
 جا ہے جو کچھ ہوں گے ظاہر ہیں ہی کہتے تھے کہ ہم سچے مسلمان اور حقیقت اسلام
 کے پیرو ہیں جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ سلطان نے سب نے جب ایک
 قاصد بھیج کے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا کہ ہمارا
 ایمان تو جید ہے۔ اور صرف اسی شریعت پر عمل کرنے کو صراط مستقیم سمجھتے ہیں
 جو خدا اور رسول سے ملی ہے۔ تخلیق عالم نبوت و نشر جزا و نرا اور قیامت کے
 متعلق ہم وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔
 محمد بن کیا بزرگ اگرچہ خوش نصیبی سے باطنیوں کا بادشاہ ہو گیا۔ مگر

اس میں اپنے فرائض منصبی کے بجالانے کی کافی لیاقت نہ تھی۔ آخر کار باطنیوں پر
 اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگی۔ اور اکثر لوگ اُس کے بیٹے حسن کی طون متوجہ ہوئے
 جو بڑا عالم و فاضل تھا اور زمانہ مابعد میں عجیب و غریب طبیعت کا شخص ثابت
 ہوا۔ اس کے کارنامے خود بانی مذہب و سلطنت حسن بن صباح سے بہت ملے
 ہیں۔ لوگ روز بروز اُس کے زیادہ گرویدہ ہونے لگے۔ اور چند روز میں یہ
 خبر مشہور ہوئی کہ حسن اپنے کو نائب امام بتاتا ہے۔ محمد کو جب یہ خبر ہو چکی تو بیٹے
 کو دھمکایا۔ اور اُس کے ۲۵۰ ہم عقیدہ دوستوں کے سر کٹوا ڈالے۔ حسن نے اس موقع
 پر اپنی برائت ظاہر کی۔ اور علانیہ اقرار کیا کہ جو لوگ قتل کیے گئے وہ اصل لاندہب
 اور دہریے تھے۔ اور مجھے اُن سے کوئی علاقہ نہیں۔ مگر خفیہ طور پر دوسرے
 مدیون کے پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور باپ کی ناقابلیتی نے اسے اس
 بات کا زیادہ موقع دیدیا۔ اس لیے کہ محمد اپنی کمزوری سے اُن تمام قلعوں
 کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا جو ہزار ہا میل تک کوہستان ہی کوہستان میں پھیلے
 پھلے گئے تھے۔ پہاڑوں کا سلسلہ جو خراسان سے شروع ہو کے بحر خزر کے
 کنارے کنارے آذربائیجان تک پھروان سے جنوب کی طرف عراق اور خجستان
 تک پھروان سے طور و ثلیمانوت سے گزرتا ہوا ساحل بحیرہ روم کے
 ساحل تک چلا گیا ہے اس پورے سلسلے میں باطنیوں کے زبردست قلعے
 مضبوطی سے قائم تھے۔ اور نقشے میں جو شخص اس سلسلے کو دیکھے گا وہی کچھ
 اندازہ کر سکے گا کہ جو لوگ اس پورے کوہستان پر اول سے آخر تک قابض
 ہوں اُن کی قوت کس قدر خوفناک ہوگی۔

حسن بن محمد کب بزرگ

حسن کی کوششیں جاری ہی تھیں کہ محمد ابن کب بزرگ مر گیا۔ اور حسن نے

مندمقتدائی پر بیٹھ کے تاج شہزادری سر پہ رکھا۔ اور بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اصول جاری کرنا شروع کر دیے اُس نے تخت پر قدم رکھتے ہی باطنین کے تمام صاحب اثر لوگوں کو قلعہ القنوت میں بٹوا کے جمع کیا۔ اور مشہور کیا کہ بہت سے نئے روز خاص بارگاہِ امامت سے بتائے گئے ہیں جن کا پوری امت پر ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی لوگ جو جوق اطاعت و جوانب سے آنے لگے اور قلعہ القنوت میں اتنی خلقت جمع ہو گئی کہ اس سے پیشتر کبھی نہیں جمع ہوئی تھی جب تمام داعی اور نقیب بیکہ قریب ساری قوم جمع ہوئی تو رمضان کی ۲۷ تاریخ خن بن محمد ممبر پر چڑھا اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے درمیان میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جس میں یہ مضامین درج تھے کہ ”حسن ہمارا نائب ہمارا داعی اور ہمارا نقیب ہے وہ تمام لوگ جو چاہری اتباع کرتے ہیں انھیں ہمارے میں خواہ ظاہری ہو یا باطنی اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اُس کے احکام کو منزل من امت اور اُس کے الفاظ کو مہم بالغیب سمجھیں۔ وہ کام ہر گز نہ کریں جس سے وہ منع کرے اور جو وہ حکم دے اُسے اُسی طرح بجالائیں کہ گویا چارے ہی احکام ہیں یہ خط اُن کے اُچھٹے کہا ”رحمت کے دروازے اُن سب لوگوں پر کھل گئے ہیں جو میری اطاعت کریں۔ تم خدا کے منتخب لوگ ہو۔ لہذا تمام شرعی قیدوں سے تم آزاد کیے گئے۔ اس خطبے کے بعد اُس نے بڑی دھوم دھام سے ایک دعوت کی جس میں لوگوں کے روزے تڑوا دیے گئے۔ اور سب لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آڑا دیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا یہ دن اس کے بعد سے باطنیوں کی عید قرار پایا۔ اور اُسی دن سے شربِ حلال ہو گئی۔ تمام شرعی تکلیفیں اٹھا دی گئیں۔ اور علانیہ پکار دیا گیا کہ یہ نہ بددستی کے اوافر نواری

واجب التعمیل نہیں۔ ہی زمانہ ہے جب سے تمام مسلمانوں نے باطنیہ لوگوں کو ملاحظہ یعنی بنے دین کے لقب سے یاد کرنا شروع کیا۔

حسن کا دعویٰ امامت

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حسن سے فاطمی خلیفہ مصر مستنصر اللہ نے بروقت ملاقات کیا تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا۔ نزار کو مصر میں تو خلافت نہیں ملی۔ مگر حسن بن صباح اور اس کے معتقدین اس وقت تک نزار ہی کی امامت کے معتقد تھے۔ حسن بن محمد نے اپنے عہد میں یہ کمال کیا کہ اپنے آپ کو خود نزار کی نسل سے مشہور کر کے دعوائے امامت شروع کر دیا۔ اپنے آپ کو نزار کی نسل میں داخل کرنے کے لیے یہ قصہ بیان کیا گیا کہ نزار ابن مستنصر اللہ کا ایک چھوٹا بچہ خود حسن بن صباح کے عہد میں قلعہ القنوت میں آ کے سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ جس کے حال سے سوا حسن کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس نزاری اصل سید زادے نے بیان شاوی کی اور اس کے بیٹے کے گھر میں اتفاقاً اسی روز بیٹا پیدا ہوا جس روز کہ محمد بن کیا بزرگ کی بی بی کا وضع حل ہوا دونوں لڑکے پوشیدہ پوشیدہ بدل لیے گئے۔ لہذا میں دراصل محمد بن کیا بزرگ کا بیٹا نہیں۔ بلکہ میں نزار کا پوتا ہوں اس طریقہ سے اپنے آپ کو نزاری اصل ثابت کر کے حسن بن محمد نے امامت کی حاصل کی۔ اور خود فاطمی بن گیا۔ حسن باوجودیکہ اپنے خاندان میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے مگر اسے چار برس سے زیادہ سلطنت نہیں نصیب ہوئی۔ اگر وہ اور جیتا تو خدا جانے کیا کرتا۔ مگر کسی خاندانی رنجش کے باعث اپنے سالے کے ہاتھ سے مار ڈالا گیا۔

محمد بن حسن شاہ التمونت

اب اُس کا بیٹا محمد ثانی باطنیوں کا بادشاہ ہوا تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے قاتل اور اُس کے خاندان کے تمام زین و مرد کو قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے بعد علوم کی سرپرستی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ اور فلسفہ میں بہت اچھی بصیرت رکھتا تھا یہ اسی کے عہد کا واقعہ ہے کہ امام فخر الدین رازی شہر سے مین وعظا کہا کرتے تھے۔ اتھاقا لوگوں میں خبر مشہور ہوئی کہ امام ممدوح خفیہ طور پر باطنیین کے معترف اور اُن کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس خلاف واقعہ اتہام کی تردید کے لیے امام موصوف ایک نیا مجہر پر چڑھے اور ایک تقریر کی جس میں عقائد اسماعیلیہ سے اپنی برائت ظاہر کی تھی اور جوش میں آ کے چند سخت و سست الفاظ باطنیین کے خلاف کہے تھے۔ اس کی خبر جب محمد ثانی فرمانروا سے التمونت کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو سکھا پڑھا کے روانہ کیا۔ یہ فدائی اُس کے امام رازی کے تلامذہ میں شریک ہو گیا۔ اور برابر سات مہینے تک کمال ادب سے اُن کے حلقہ درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینے کے بعد ایک دن امام رازی اپنے حجرے میں تنہا تھے۔ خدام باہر گئے ہوئے تھے۔ شاگردوں میں سے بھی کوئی موجود نہ تھا۔ ایسی حالت میں موقع پائے اُس فدائی نے امام ممدوح کو زمین پر دے مارا۔ سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام نے نہایت ہی خوف زدہ ہو کے پوچھا: آخر تم کیا چاہتے ہو؟ جواب ملا: یہ کہ تمہارا سینہ چاک کر ڈالوں۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ تم اسماعیلیوں پر عین و ظن کرنے سے باز نہ آؤ گے۔ امام نے نہایت عاجزی سے رحم کی التجا کی۔ اور قسم کھانے

وعدہ کیا کہ پھر کبھی تمھارے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا۔ فدائی نے اُن سے دوبارہ عہد لیا۔ پھر سینہ سے اُٹھ کے کہا: اچھا اُٹھیے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ میں نے ترس کھا کے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے حکم ہی اتنا ملا تھا۔ اگر قتل کی اجازت ہوتی تو میں بے پوچھے سمجھے اسی وقت آپ کا کام تمام کر دیتا۔ پھر بولا: ہاں، بادشاہ محمد بن حسن نے آپ کو سلام کہا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ قلعہ میں آکے اُس سے ملے۔ وہاں بے انتہا قوت آپ کے قبضے میں ہوگی اور ہم نہایت وفاداری کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ہمارا بادشاہ کہتا ہے کہ عوام کے کہنے کی ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ بائیں چنبرہ و زین معدوم ہو جاتی ہیں۔ مگر تم سے نامی گرامی فاضل گران پایکے الفاظ بیشک ڈرنے کے قابل ہیں۔ اس لیے کہ وہ پتھر کے نقش ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی مٹائے نہیں مٹا سکتے۔ امام فخر الدین نے جواب دیا کہ: مجھے التیون میں آنے کی توجرات نہ ہوگی۔ مگر ہمیشہ تمھارے بادشاہ کا ممنون احسان رہوں گا۔ اور کبھی اُن کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے گا۔ اس کے بعد فدائی نے دو قیمتی تھان اور تین سوا شرفیان نذر کین۔ اور کہا: یہ تنخواہ آپ کو ہر سال ملتی رہے گی۔ اور حجرے سے نکلا چلا گیا۔ امام رازی نے آخر تک اس عہد کو نباہا۔ اور اسماعیلیوں کی نسبت ان کی وضع میں جو فرق آگیا تھا اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: میں ان لوگوں کو بڑا کہنا نہیں پسند کرتا جن کی دلیل خاردار ہے۔ اور جن کے ارادے بہت تیز ہیں۔

مگر اس عہد میں گو کہ بیان میں باطنیہ کی قوت بڑھتی جاتی تھی لیکن ملک شام میں سلطان صلاح الدین کے فتوحات نے اُن کی قوت

کو بہت کچھ نقصان پہونچا دیا۔ صلاح الدین ہی وہ شخص ہے جن نے اسماعیلیت کے مرکز اور بنی فاطمہ مصر کی خلافت کا وراثت دیا جس سے فراغت کرنے کے بعد ملک شام کو اپنے قبضے میں لائے وہ دین اسلام کا سچا حامی بن گیا۔ اور اس کی زندگی کا زیادہ حصہ یورپ کے پرجوش مجاہدین اور صلیبی حملوں کے روکنے ہی میں صرف ہو گیا۔ مگر اسماعیلیوں کے نزدیک وہ اُن کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف فدائی خنجر باندھ باندھ کے اس کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جبکہ وہ اپنے کمپ میں اترا ہوا تھا چار فدائی کیے بعد دیگرے اپنے زہر آلود خنجر کھینچ کھینچ کے اس پر چھپے۔ مگر چاروں ناکام رہے اُن میں سے بعض اُس کے قریب پہونچ گئے تھے۔ جن کا ہاتھ خود صلاح الدین نے پکڑ لیا۔ الغرض صلاح الدین بالکل معجزہ طریقے سے بچا۔ اور وہی تھا جسے فدائیوں کے اس کاری خنجر سے نجات ملی۔ مگر اُن لوگوں کے متواتر حملوں سے وہ بھی دل میں ایسا خائف ہو گیا تھا کہ اسماعیلیوں کی سرزمین سے واپس روانہ ہوا۔ اور شہر مسیات کا محاصرہ اٹھا لیا جو شام میں باطنین کا مرکز تھا۔ اس کو باطنین بھی غنیمت سمجھے۔ اس لیے کہ پھر اُنھوں نے صلاح الدین کی جان پر کبھی حملہ نہیں کیا صلاح الدین کی واپسی کے بعد رشد الدین ابوالحشر جو سنان کے لقب سے مشہور تھا شام کے باطنین کا سردار قرار پایا۔ اُس نے خود پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ ایک اہامی کتاب اپنے معتقدین کے سامنے پیش کی۔ اور خود پرستی کے دعوں نے بیان تک جرات دلائی کہ اپنے آپ کو ایک اوتار یا مظہرِ امزدی بتانے لگا باطنی لوگ اُس کے نہایت ہی معترف تھے۔ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اموری کے پاس بھیجا۔ مگر وہ ان ایسی بد نظمیان ہو رہی تھیں کہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے سخت بے رحمی کے ساتھ مارا گیا۔ اور سنان

نے جب اُس کے قاتل کو طلب کیا تو عیسائیوں نے اُس کے دینے سے بھی انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسماعیلیوں اور فلسطین کے حکمران عیسائیوں میں بگڑ گئی۔ بیشتر اسماعیلی لوگ مسلمان قرون کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب خود عیسائیوں کے دشمن بنے۔ اور فدائیوں کے خفیہ یورپین سرداروں پر بھی تیر ہوئے گئے۔ اور جس طرح پہلے مسلمان سردار اور امیر فدائیوں کے ہاتھوں سے قتل ہو رہے تھے اسی طرح اب یہی سرداروں کی جانیں لی جانے لگیں۔

صلیبی عیسائیوں پر باطنیوں کے حملہ

جن لوگوں نے حروب صلیبی کی تاریخ پڑھی ہے اُن کو معلوم ہے کہ تیسری صلیبی لڑائی کے وقت انگلستان کا رچرڈ و شیرول اور فرانس کا فلپ جب ارض مقدس میں پہنچے ہیں تو عورتوں کے تعلقات شہوت پرستی کے جذبات اور کفری کے بغض و حسد نے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا فلپ چند روز کے بعد فرانس کو واپس گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے بڑے سردار شہر طائر کے مارکوئیس کنراڈ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ کنراڈ اپنے آقا فلپ کی مرضی کے موافق ہر امر میں رچرڈ کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور ہر امر میں بادشاہ فرانس فلپ کے خوش کرنے کے لیے شاہ انگلستان کو ملزم ٹھہراتا تھا۔ اس کے اس طرز عمل کو چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن کنراڈ شہر طائر کے بھرے بازار میں ایک باطنی فدائی کے خفیہ نشانہ بنا۔ اور تمام مستند مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کا قتل شاہ رچرڈ کی خفیہ سازش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ انگلش مورخین اپنے بادشاہ کے دامن پر سے اس

خون کے دھبے کے دھوئے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ مگر خود عربی مورخین اور شام کے سلطان فرمانرواؤں کو اس بات کا پورا اعتراف تھا کہ اسماعیلیوں کے سردار سنان کو موافق کر کے خود رچھڑنے لگاؤ کو قتل کر دیا۔ اس سے بڑھ کر اس سازش کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود باطنی لوگ مقرر تھے کہ مہین شاہ رچھڑا ہی نے اس کام پر مامور کیا اس کے چند ہی روز بعد عیسائیوں کے خلاف فداویں کو اس قدر جوش پیدا ہو گیا تھا کہ فریڈرک بار و بر دسایورپ کا ایک نامی فرمانروا جبکہ شمالی ایتالیا کے شہر میلان کا محاصرہ کیے ہوئے تھا خاص یورپ کے وسط میں ایک فداوی کے خفیہ سے مارا گیا۔ اور آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ فداوی کسین سے آیا تھا یا شام سے اسے روم والوں نے رشوت دی تھی یا بغداد والوں نے۔ کٹرڈ کے مارے جانے کے دو سال بعد کاؤنٹ ساپین ارض فلسطین کے سفر کو گیا۔ اور اثنائے راہ میں شہر سیات میں پہونچ کے خاص سنان کا مہمان ہوا۔ بیان اسے قلعے کے دھس اور برج دکھائے گئے۔ خصوصاً ایک بڑے برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینے پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوتے تھے۔ ان کو دیکھ کے باطنیوں کے حکمران نے اپنے سچی مہمان سے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ چارے ایسے فرمانبردار سپاہی تھیں نہیں نصیب یہ کہتے ہی اس نے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا اور اس کے اس اشارے کے ساتھ ہی وہ دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے گر پڑے اور اسی وقت مر گئے۔ یہ تماشا دکھا کے سنان بولا انھیں دو پر منحصر نہیں یہ جتنے سپاہی سفید کپڑے پہنے کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب اسی طرح گر کر جان دیدیں گے۔ عیسائی بادشاہ نے کہا مجھ پر کیا منحصر ہے شاید کسی اجدار کو ایسی جاننا ر عیا نہ نصیب ہوگی۔ کاؤنٹ شاپین نے اس پر جواب دیا

موتے وقت جب سنان سے رخصت ہوا تو معزز میزبان نے کہا "اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجیے میرے فدائی بہت جلد اس کا کام تمام کر دیں گے"

حسن ثالث شاہ التموت

التموت کے بادشاہ محمد دوم کو آخر اُس کے بیٹے نے زہر دیا جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کے حسن ثالث کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حسن عقائد میں عام مسلمانوں کے موافق تھا اور شریعت اسلامیہ کی سچی پیروی کرتا تھا۔ باپ کی بے اعتدالیوں ہی نے اُسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہان تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایسے لائڈ سب اور فاسد العقیدہ حکمران سے خالی کرادے۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو اپنے قلعہ میں مدعو کیا جن کی برکت سے نماز کے لیے صفین درست کی گئیں۔ مسجدین آباد ہوئیں۔ تعلیم قرآن کے مدارس قائم ہوئے اس کے بعد حسن ثالث نے تمام معصر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجیں اور سب کو علانیہ لکھ بھیجا کہ میں شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں۔ اور اسی اصلی دین کو اپنی قوم دین مروج کرنا چاہتا ہوں جو حضرت سرور کائنات صلعم سے ثابت ہے۔ قزوین کے بعض لوگوں کو اُس کی راستبازی میں شک تھا جنھیں اُس نے یونان اطمینان دلا یا کہ اُن کے وکیلوں کو قلعہ میں بلوائے عام حاضرین کے سامنے حسن بن صباح باقی فرقہ باطنیہ کی تمام کتابیں آگ میں جلوا دیں۔ تخت خفگی کے دوسرے سال اُس نے اپنی ماں اور بیوی کو ایک بڑے ساز و سامان کے ساتھ حج کے لیے روانہ کیا۔

یہ شاہی جلوس جس فرمانبردار کی قلمرو سے گذرنا وہ بڑی قدر و منزلت کرتا۔ اور بڑی عزت سے پیش آتا جو خلیفہ بغداد نے یہاں تک عزت کی کہ زبردست فرمانروا سے غوار زم کے قلم سے آگے التمنت کا علم روانہ ہوا۔ اس کے بعد خود حسن نے دیر چھ سال کا ایک سفر کیا۔ اور جس بادشاہ کے ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی۔ ان کا ردائیون کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ساری دنیا سے اسلام تو اس سے موافق تھی مگر باطنی لوگ دشمن ہو رہے تھے غالباً اسی دشمنی کی بنیاد پر اسے زہر دیا گیا۔

محمد ثالث بادشاہ التمنت

اب التمنت کے تخت پر مرحوم حسن ثالث کا بیٹا علاء الدین محمد جو محمد ثالث کے لقب سے مشہور ہے قابض ہوا۔ محمد ثالث تخت نشینی کے وقت نو برس کا بچہ تھا جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامات سلطنت دیے گئے تھے اگرچہ انھوں نے حسن ثالث کے قاتلوں کو قتل کر ڈالا۔ مگر حسن بن صباح کے مذہب کی پھر اشاعت ہونے لگی۔ محمد ثالث اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا۔ کسی جاہل طبیب نے فصد تجویز کی۔ اور فصد میں بھی اتنا خون لے لیا کہ نو عمر بادشاہ کا دلخ ہمیشہ کے لیے خراب ہو گیا۔ اب اس کی یہ حالت تھی کہ لہو لعب اور بیقراری میں پڑ گیا۔ اور مہمات سلطنت کے متعلق اگر کوئی کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا تو فوراً قتل کیا جاتا۔ مجبوراً یہ طرز اختیار کیا گیا کہ کل امور بادشاہ سے چھپاے جاتے اور کسی کو قریب جانے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی اس حالت اور مہمات سلطنت کی بے نظمی نے اگرچہ ان دنوں باطنین کی قوت کم کر دی تھی لیکن فلائیون کا جوش اس ضعف کے زمانے میں بھی ہمیں ویسا ہی نظر آتا ہے۔

اسی عہد کا واقعہ ہے کہ سلطان خوارزم نے کسی بات پر خوش ہو کر شہر اسلام آباد اُس کے گرد کے اضلاع امیر آرخان کو دیدے تھے۔ آرخان کسی دور کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اور جو شخص اُس کی قائم مقامی کر رہا تھا اُس نے باطنین کی قلمرو پر حملہ کر کے بعض گاؤں لوٹ لیے تھے۔ فوراً التموت سے ایک سفارت گئی۔ اور اس بے اعتدالی کا جواب طلب کیا گیا۔ مگر سفرون پر ہمیں کے ساتھ بجائے اس کے کہ لفظوں میں جواب لے اشارت میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اُس کے سامنے چند خجرا کے ڈال دیے گئے۔ اس پر آرخان التموت اور برہم ہوا۔ فوراً چند فدائی بھیجے گئے۔ جنہوں نے اس مہم جی میں آرخان کا کام تمام کر دیا۔ یہ یہ خوش فدائی آرخان کی جان لینے کے بعد بجائے اس کے کہ خجرا کا ارادہ کریں اپنے خون آلود خجرون کو بلند کیے ہوئے شہر کے بازاروں میں بکھے اور باطنین کے بادشاہ علاء الدین کی سطوت و جبروت کا حال چلا چلا کے بیان کرتے جاتے تھے۔ اُنہوں نے علامہ بھی دعویٰ کیا کہ ابھی میں سلطان خوارزم کے وزیر سے انتقام لینا باقی ہے۔ یہ کہتے ہو وزیر کے محل میں گھسے اور اُسے ڈھونڈنے لگے۔ مگر اتنی دیر میں شہر والوں نے یورش کر دی اور اُنہیں ڈھیلے مار مار کے ہلاک کر ڈالا۔ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے اسی وقت بدرالدین احمد نام التموت کا ایک اور سفیر وزیر سے ملنے کو آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے اپنے فدائیوں کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو وہ میں پھٹ گیا اور خط لکھ کے وزیر سے دریافت کیا: اب تمہارا کیا منشا ہے؟ میں آؤں یا واپس جاؤں؟ وزیر آرخان کے مارے جانے اور اپنی جتو کے قتل دیکھ کے ایسا سہم گیا تھا کہ فوراً اُس نے سفیر کو امن و امان کے ساتھ بلوایا۔ بے انتہا خاطر و اشرت کی اور شرط صلح سننے سے پیشتر وعدہ کر لیا کہ آپ جو فرمائیں مجھے منظور ہے۔ آخر ان دو باتوں پر صلح ہوئی کہ خجرا کا خاتمہ ہوا اور قلعہ دامن باطنین کے فرمانروا کے ہاتھ پھنچ ڈالا جائے۔

یہ سفیر شرط صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک وزیر کا مکان رہا۔ ایک دن وزیر کے ساتھ بیٹھا کھا کھا رہا تھا باتوں باتوں میں کہنے لگا: "ہائے عدو شون اور ہائے خادموں سے بہت کم کوئی جگہ خالی ہے۔ خود آپ کے درباریوں اور محافظوں میں ہائے بہت سے فدائی موجود ہیں" وزیر نے گھبرا کے پوچھا: "وہ کون لوگ ہیں؟" اور اس کے ساتھ ہی اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینکا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں انھیں پناہ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر کا رومال پھینکنا تھا کہ خود اُس کے منہ کے ملازمین میں سے پانچ آدمی بڑھ کے آگے آئے اور بولے: "ہم باطنی فدائی ہیں، ان میں سے ایک ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے قدم آگے بڑھ کر کہا: "اسی دن اور اسیدم میں تمھیں قتل کر ڈالتا۔ مگر ایسا ارادہ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اجمعی تک مجھے تمھارے قتل کا حکم نہیں ملا ہے۔" سننے ہی وزیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور گھبرا کے خود اپنے اُن ملازمان کے قدموں پر گر پڑا۔ اور التجا کرنے لگا کہ میری جان نہ لینا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو تمھارے بادشاہ کا ایک ادنیٰ غلام سمجھوں گا۔" بدرالدین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کے اُسے تسلی دی۔ اور رخصت ہو کر التوت روانہ ہو گیا۔ اسس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدائیوں میں ہندوستانی لوگ بھی موجود تھے جو غالباً ملتان و سندھ سے گئے ہوں گے جہاں مذہب اسماعیلیہ زور و زور پکڑ رہا تھا۔

ان واقعات کی خبر جب سلطان خوارزم کو پہونچی تو اپنے وزیر کی نزدیکی پر نہایت برہم ہوا۔ اور ایک خط کے ذریعہ سے بیت کی کچھ لعنت ملاہمت کی اور حکم دیا کہ "میرا خط پہونچتے ہی وہ پانچوں اسماعیلی باطنی پیر کے زندہ آگ میں جلا دیئے جائیں" سلطان کے حکم سے انحراف نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر واقعی اُس وقت کا سین عجیب و غریب تھا۔ وزیر باطنیوں کے خوف سے ڈر رہا تھا۔ اپنی بد عہدی

پر رہتا تھا۔ مگر وہ اسماعیلی جو آگ کے شعلوں میں جل رہے تھے جو شہر و خرد
سے غلطے مسرت بلند کر رہے تھے۔ کہ ہمیں شہادت نصیب ہوئی! اور اس کے
ساتھ علاء الدین محمد ثالث کی مدح سرائی کرتے جاتے تھے۔ جب یہ خبر التموت میں
پہنچی تو وہاں سمجھ لیا گیا کہ اس امر میں دیر کو بہت کم دخل ہے۔ مگر خفیہ طور پر اُسے
لکھا گیا کہ تم نے ہمارے پاتھ جان نثاروں کو آگ میں جلایا ہے۔ اگر اپنی جان بچانا
چاہتے ہو تو اُن میں سے ہر ایک کی جان کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں
روانہ کرو۔

وزیر نے اس جرمانہ کو بہت عظمت سمجھا۔ باطنیوں کے سفیر کی بڑی قدر
و منزلت کی اور مزید وہ جرمانہ ہی نہیں روانہ کیا بلکہ وہ رقم بھی واپس کر دی
جو قلعہ دامغان کے فروخت میں فرانہ واسے التموت سے وصول ہوئی تھی۔

رکن الدین خورشاہہ آخری بادشاہ التموت

۱۲۵۲ء میں شاہ التموت علاء الدین محمد بھی خود اپنے ایک خادم کے ہاتھ سے
قتل ہوا۔ اور اُس کا بیٹا رکن الدین خورشاہہ تخت نشین ہوا۔ یہی شخص باطنیوں کا
آخری بادشاہ ہے۔ تخت نشینی کے وقت وہ بہت کم سن تھا۔ سلطنت کے نظام
جو علاء الدین کے وقت سے بگڑ گئے۔ تھے اُس کے ہتھالے نہیں سنبھل سکے
اور غضب یہ ہوا کہ عین اُس وقت جبکہ باطنیوں کی سلطنت ضعیف ہو رہی تھی
تاتاریوں کا بیڑی دل مشرق سے ایک سخت طوفان کی طرح اٹھا اور ہلاکو خان
کا لشکر مملکت ایران و عراق کے برابر دھڑکنے کو روانہ ہوا اس کے تحت پلانٹون
منقو خان جلوہ افروز تھا اور فتحیابی کا جھنڈا ہلاکو خان کے ہاتھ میں تھا۔ بعض

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ باطنین نے خود ہی تاتاریوں کو چھڑا اور ان کے شاہی خاندان پر حملے کیے۔ مگر عام مورخین کا بیان ہے کہ باطنین کے ظلم و ستم سے لوگ اس قدر خج اُٹھے تھے کہ مستعصم باللہ خلیفہ بغداد اور شہر قزوین کے معزز لوگوں کی طرف سے تاتاریوں کے شہنشاہ کو لکھا گیا کہ باطنی لوگ دیرینہ سوبہس سے سالہمیشیا کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور ان کا استیصال ہمارے امکان سے باہر ہے۔ ان سفارشوں کے پہونچنے ہی منقو خان فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ کیا۔ اور رخصت کرنے وقت یہ کلمات کہے کہ میں تمہیں ایک بڑے زبردست لشکر اور سواروں کی جانباً جماعت کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ یہ ایسے بہادر سپاہی ہیں جن سے بہتر سارے توران و ایران میں نہیں مل سکتے۔ خبردار ہر امر میں چنگیزی رسوم و آئین کی پیروی کرنا۔ اور دولت مغول کی قلمرو کو دریا سے جیون سے بڑھاتے بڑھاتے دریائے نیل تک پہونچا دیتا۔ جو لوگ اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اور اپنی قیمت بھٹا رہے ہاتھ میں دیدیں۔ ان کے ساتھ مراعات کرنی چاہیے۔ مگر جو مزاحمت کریں خبردار ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ انھیں مع ذوق و فرزند قتل کرنا۔ باطنین کے استیصال کے بعد تمہیں قرآن کی مہم سر کرنا ہے۔ اگر خلیفہ بغداد اطاعت کرے اور تمھاری پناہ میں آنا چاہے تو اس پر مہربانی ہو۔ لیکن اگر اس سے سترابی ظاہر ہو تو اس کا بھی وہی حال ہو جو اوروں کا ہوگا۔

ان دنوں محقق اسلام خواجہ نصیر الدین طوسی رکن الدین خورشاہ کے وزیر تھے۔ ان کے بیان پہونچنے کا یہ سبب ہوا کہ جب علوم ریاضیہ میں ان کے علم و فضل کی بے انتہا شہرت ہوئی تو انھوں نے دربار خلافت کے خوش کرنے کے لیے اپنی ایک بیش بہا تصنیف کے خطبہ میں المستعصم باللہ کا نام درج کیا

اور خلیفہ کو اپنا مربی بنانے کی کوشش کی۔ مستعصم باللہ ابتداً اس کتاب کو دیکھ کے بہت غور میں ہوا۔ مگر ابن علقمی کو جو مستعصم باللہ کا صاحب اثر وزیر تھا خواجہ نصیر الدین طوسی سے عداوت تھی۔ اُس نے خلیفہ کے برہم کرنے کے لیے یہ اعتراض کر دیا کہ حضور کے نام کے ساتھ اس کتاب میں خلیفہ اللہ علیٰ ارضہ کا لازمی لقب نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی جاہل و نا عاقبت اندیش خلیفہ بہت برہم ہو کے بولا، "معلوم ہوتا ہے کہ مصنف سخت بے عقل ہے" اور وہ کتاب دریا و جلد میں پھینکوا دی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہ امر نہایت ناگوار گذرا۔ اسی وقت سے انتقام پر آمادہ ہو گئے۔ اور خلیفہ بغداد کے ہاتھ سے امن میں رہنے کے لیے آلتونٹ کے دربار میں جا کے پناہ لی۔ یہاں اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوئی کہ وزیر سلطنت بنائے گئے۔ لیکن چند روز میں جب اُنھیں نظر آیا کہ آلتونٹ کا بادشاہ اُن کی خواہش پوری کرنے پر چندان مستعد نہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس نازک زمانہ میں سب سے زبردست سرپرست ہلاکو خان ہو سکتا ہے تو فرمانروا سے آلتونٹ کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اس بات کی کوشش شروع کی کہ باطنین کے قلعوں پر تاتاریوں کی حکومت ہو جائے۔

الغرض خواجہ نصیر الدین طوسی کی کوشش اور تاتاریوں کے زبردست اسلحہ نے باطنین کی ڈیڑھ سو برس کی مضبوط اور خوفناک سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کو اُن چھری بند فدا یوں کے دست ستم سے نجات ملی جنھوں نے ایک صدی سے زیادہ زمانے تک دنیا کی عجیب حالت کر رکھی تھی اور ہر طرف ایک تھلکہ مچا رکھا تھا۔

باطنیوں کا اتصال

جس زمانے میں ہلاکو خان کے ساتھیوں نے ایران میں باطنین کا خاتمہ کیا اُسی

زمانے کے قریب ہی مصر کے سلطان بئیرس نے ارض شام کے اسماعیلیوں کا
استیصال شروع کر دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ فدائی ہونا ساری اسلامی دنیا میں ایک بھرم
قرار پا گیا۔ اور اس مذہب کا جو شخص جہان ملا بلا تکلف قتل ہونے لگا۔ سلطنتوں کے رہنما
بھی ان کی دشمنی پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لیے کہ کوئی نہ تھا جس کے دل کو ان انسان کش
ٹھگنوں کے ہاتھ سے صدمہ نہ پہنچا ہو۔ آخر متواتر قتل اور خونریزیوں نے فدائیت
کی چھری ہمیشہ کے لیے کند کر دی۔ اور بعد کے زمانوں میں ڈھونڈنے اور جھجکرنے سے
یہ تو بے شک ثابت ہو جاتا ہے کہ تھوڑے بہت باطنی اور اسماعیلی ارض شام و عراق
و ایران میں موجود تھے۔ مگر وہ فدائیت کا جوش ایسا فرو ہوا کہ گویا اس مذہب کو
اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

تیمور لنگ جب فتح و نصرت کے پھر میرے اڑا تا ہوا ارض آذربائیجان میں داخل
ہوا تو اس نے وہاں بہت سے اسماعیلی پائے جو قدیم باطنیوں کی یادگار تھے۔ اور
ہاگو کی خون آشام تلوار سے بچ رہے تھے۔ یہیں نہیں آل عثمان کے تاجداروں
نے جب عرب کے جنوبی بلاد میں کوفت کیا ہے۔ تو وہاں بھی بہت سے اسماعیلی آباد
نظر آئے عرب کے ساحلی ملکوں یعنی حضرموت عمان اور جزیرہ بحرین میں اسماعیلیت
کی جڑ بہت دلوں پہلے سے قائم ہو چکی تھی اس لیے کہ ان مقامات میں ہمیشہ ان لوگوں
نے پناہ لی جو خلافت بغداد کے خلاف تھے۔ اور فاطمی خلفاء کی طرف داری کا دعویٰ
کرتے تھے۔ سب کے پہلے قرامطہ نے اسی مذکورہ بالا دعوے یعنی امامت بنی فاطمہ
کی طرف داری کے ساتھ عوام کو رونا دیکھنا غائب امام کا ولدا دہ بنایا۔
جو اگر سچ پوچھیے تو پہلے اسماعیلی تھے۔ اور جب کبھی انھیں بیان بھی پناہ دیتی تو
جہازوں پر سوار ہو کر ارض سندھ میں ہوتا رہتے۔

سندھ اور ہندوستان کے طہنی

سندھ خلافت عباسیہ کے ماتحت ہونے کے بعد پہلے تو اسی مذہب کا یا بند تھا۔ جو ساری اسلامی دنیا کا مذہب تھا۔ مگر جب بغداد اپنے تواضع کی نگہرائی نہ کر سکا۔ اور اس کے ماتحت صوبجات فطیمی کے ساتھ آزاد ہونے لگے۔ تو بیان عثمان و جبرین کے اسماعیلیوں کی بہ کثرت آمد و رفت ہوئی۔ اور اسماعیلیوں کا مذہب روبرو زبان کا عام مذہب بننے لگا۔ مستعودی۔ ابن خرداد بہ۔ ابن حوقل۔ ابو اسحق۔ الطبری اور علامہ بشاری کے سفر ناموں کو اگر ترتیب سے رکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اسماعیلی مذہب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے کس طرح سندھ کے تمام مسلمانوں کا مذہب بن گیا تھا۔ دو مقام بیان کے مرکز تھے۔ اور انھیں کے لحاظ سے بیان دو چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ ایک کا مستقر ملتان تھا۔ اور دوسری سلطنت کا دار الحکومت سندھ کا شہر منصورہ جس کا اب کہیں پتہ نہیں ملتا۔ صرف ایک نام اس بات پر اس کا نام یاد دلانے کو باقی ہے۔ کیونکہ "مانتر" کا لفظ غالباً منصورہ ہی کا مخفف ہے۔ مذکورہ سیاحوں کے بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان تو پہلے ہی اسماعیلی مذہب کا پیرو ہو چکا تھا۔ منصورہ باقی تھا۔ چند روز بعد اُس نے بھی خلافت بغداد کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ اور دونوں جگہ کی مسجدوں کے خطیبوں میں مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کا نام شامل ہو گیا۔ اذان میں کلمۃ اشھد **اَللّٰہُ اَکْبَرُ** بڑھ گیا۔ اور آخر مذہب کو بیان تک ترقی ہوئی کہ سکہ بھی بیان خلفائے مصر کا چل رہا تھا۔ ہندوستان کے مورخین ابھی تک سندھ کے اس دور کے حالات سے ناواقف ہیں جو بے سوچے سمجھے انھیں ہند کر کے تاریخ افسوس کے نقش قدم پر چلے جاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ تحقیق نے اس خیالی دفتر ہی کو

اٹک دیا جو سومرہ قوم کو تیرہ راجپوت قرار دے کے مرتب کیا گیا تھا اور جو قلعہ ہوا این
مسٹر القسٹن نے تعمیر کیا تھا۔ آلہ دین کے محل کی طرح ایک دم عربین ہوا ہو گیا۔ مگر افسوس کہ
افسٹن کی غلط بیانی سے تمام سرکاری مدارس میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے بڑھ
کے کیا ہو گا کہ ہمارے مخدوم و کرم خان بہادر مولانا مولوی ذکا اللہ بھی اپنی مستند تاریخ
کو اس غلطی سے پاک نہ کر سکے۔

جس ابوالفتح سے سلطان محمود نے تمان کو چھینا وہ تمان کے اسی اسماعیلی
شاہی خاندان کا پچھلا وارث تھا اسماعیلیوں اور خاصہ باطنیوں کو اہل عجم ملاحہ کے لقب سے
یاد کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ سندھ کے سومرہ خاندان والے بادشاہوں کو بن کا آخری
وارث ابوالفتح تھا ملاحہ کہتے تھے۔ مگر ہمارے مستند مورخ مسٹر القسٹن لفظ ملاحہ کے لٹوی
معنوں کا خیال کر کے سمجھ گئے کہ اس سے ہندو مراد ہیں اور خیال کیا کہ سومرہ لوگ ہندو
پھر راجپوتوں خاندانوں کی فرست میں ڈھونڈنے کے تیرہ راجپوتوں کی ایک ذات کلاں
اور چونکہ یہ لفظ سومرہ سے ملتا جلتا تھا لہذا دعویٰ کر دیا کہ سومرہ راجپوتوں نے مسلمانوں
کو سندھ سے مار کے نکال دیا۔ اور خود حکمران ہو گئے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی تحقیق سے کام
لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سندھ پر عربوں کے تسلط کے بعد سے کبھی
ہندوؤں کی حکومت نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ خلافت بغداد کے بعد سومرہ قابض ہوئے
جو اسماعیلی اور باطنی فرقہ کے مسلمان تھے پھر ان سے اس ملک کو محمود غزنوی نے
چھینا جس کے بعد سے انگریزی حکومت تک ہمیشہ مسلمانوں ہی کا تسلط رہا۔

جن لوگوں نے تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنوی کی فتح تمان کا حال بڑھا ہوا
یاد ہو گا کہ محمود کی روانگی کی خبر سنتے ہی ابوالفتح نے وطن اور حکومت کے چھوڑنے کا ارادہ کر دیا۔
اور اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کو ساتھ لے کے اور انھیں ہاتھوں پر بٹھائے ارض پرست
کے ارادے سے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جہاں سے پھر اسے کبھی واپس نہ آنے نصیب ہوا۔

اور اسکی سلطنت ہمیشہ کے لیے ایرانی و ترک کی فاتحین ہند کے قبضہ میں آگئی۔ اور وہ طینی بادشاہ مع اپنے پیروں کے دوسرے سبطوں کی طرح ہمیشہ کے لیے دنیا سے غائب ہو گیا۔

اسماعیلیوں یا ہورون کی صلیت

آج کل کے قریب قریب تمام مروجین پھر مکہ میں اپنی مومہ کے حل کرنے سے عاجز ہیں کہ ہورے جو مدت ہائے دراز سے بمبئی اور اطراف گجرات میں آباد ہیں یہ بیان کب اور کیونکر آئے۔ یہ سلسلہ بیان تک لاعلمی میں پڑ گیا ہے کہ خود ہورے بھی جو حقیقت مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہیں اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ ان میں سے اکثر خود ہی اپنے آپ کو نو مسلم تسلیم کرتے ہیں اور کبھی زیادہ تجسس سے پوچھا جائے تو ایک کہانی کی طرح مختصر قصہ دیتے ہیں کہ بہت زمانہ ہوا۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے عالم بزرگ سوا حل ہند پلٹے تھے۔ انھیں کی کوشش سے ہم سب مسلمان اور اس مذہب کے پیرو ہوئے۔

شاید ایسے کوئی بزرگ بھی آئے ہوں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بمبئی کے اسماعیلیوں یا ہورے میں اکثر خاص عربوں کی اولاد ہیں۔ اور انھیں لوگوں کی نسل میں جو ابو الفتح کے ساتھ سلطان محمود کے خوف سے بھاگ کے جنوب کی طرف گئے۔ اور گجرات کو اس زمانہ کی مجاہدہ کے آباد ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ عرب تاجر ہندوستان میں عموماً حجاز و حیرن و حضرموت سے آیا کرتے تھے۔ کیونکہ قدیم لایام میں ان ممالک کے تمام لوگ مذہب اسماعیلیہ کے پیرو تھے۔ اور اسماعیلیت ان ممالک عرب کا حام مذہب کا بن گئی تھی۔ اور میں میں تو حکمران آل عثمان کے زمانے تک اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ لہذا وہاں سے جو سیلح و سوداگر آئے ہوں گے ان میں سے بھی بعض اس مذہب کے پابند ہوں گے۔ ان امور سے صاف نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ہورے ہندوستانی الاصل نہیں بلکہ ان کی زیادہ جماعت خاصۃً عربوں کی نسل سے ہے جو یا تو سندھ سے کل کے گجرات میں آئے یا سندھ سے ممالک عرب سے۔

الغرض اس طریقے سے اسماعیلیوں اور باطنیوں کا مذہب ہندوستان میں آیا اور آج تک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ ہندوستان کے یہ تجارت پیشہ اسماعیلی اس اصول کو پوری عقیدت کے ساتھ ملتے ہیں کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور اصل وہی ہے جو باطن ہو۔ اس کے ساتھ ان میں اپنے چھپانے اور اپنے اصول کے غیروں سے محفوظ رکھنے کی پوری پابندی کی جاتی ہے۔ ہزار پوچھے کبھی نہ بتائیں گے کہ ان کے کیا عقائد ہیں یا ان کے اوپر دیگر فرق اسلام کے عقائد میں کیا فرق ہے۔ مگر فطرت کا جوش جب سے فرو مو اچھلے گا نہیں ہرگز۔ ہندوستان میں ان لوگوں نے اکثر امن امان کی زندگی بسر کی۔ اور آج انگریزی سلطنت کے ماتحت نہایت آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایران کے موجودہ باطنی

بین نہیں ان کے مذہبی بھائی بند ایران و شام اور افریقہ کے مالک زنجبار وغیرہ میں بھی اس وقت موجود ہیں۔ مگر ایران میں حتی الامکان اپنے آپ کو چھپاتے ہیں اور شام میں بدوی قبائل عرب کی طرح سرکش اور سلطنت کے باغی بنے ہوئے ہیں۔ ایران و اسے چند روز پیشتر تک دعوے کرتے تھے کہ ان کا امام اس وقت تک موجود ہے جو شاہ خلیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور خاص اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ وہ شہر قم کے پاس مقام خجج میں رہتا ہے۔ اور اُس سے اکثر کرامات و خوارق عادات بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ ہندوستان کے اسماعیلی یعنی ابوسر بھی اکثر اس کی زیارت و بیعت کو دہان پہنچا کرتے ہیں۔ اور کیا عجیب اُسی خاندان سے ہر اتھاسر آغا خان بھی ہوں جو خوجوں کے اعتقاد میں اس وقت امام عصر اور سلسلہ امامت میں اٹھالیسویں امام ہیں۔ اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں کے پولیسکل لیڈر ہیں۔

شام کے موجودہ اسماعیلین دروز

شام کے اسماعیلی فی الحال تین فرقوں پر بنے ہوئے ہیں سویدانی جعفری اور دروزی صوب سے زیادہ جماعت تو دروزہ کی ہے جنھوں نے حسن بن صباح کے اصول کو چھوڑ کے ایک نیا مذہب بنالیا ہے۔ اس مذہب کی ابتداء یوں ہوئی کہ گیارہویں صدی عیسوی میں خلفائے بنی فاطمہ مصر میں سے الحاکم نامرشد نے جب پرانے خیال کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم کر کے تمام مخالفت قوتیں توڑ دیں تو اس کے اشارے یا اس کی ہدیت و جبروت نے خاص اسکی نسبت ایک نیا خیال پیدا کیا جس کا ظہور یوں ہوا کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ خلیفہ الحاکم خداوند جل و علا کا ایک منظر کامل ہے جس اصول نے خلیفہ یا امام کی ذات میں ایک شان الوہیت پیدا کر دی۔ اور اسے ایک پورا دیوتا بنا دیا۔ یہ خوشام آئیز عقیدت الحاکم کو ایسی پسند آئی کہ اس کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ حکومت کے زور سے اور لوگوں کو بھی اس عقیدے کا پابند بنانے لگا۔ اس طریقہ سے جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے۔ ان لوگوں نے دروز کا خطاب دیا۔ انگریزی نورخ مشرڈ بیوسپی۔ سید مصنف کتاب "ہسٹری آف محمد نزم انڈیا سکس" تاریخ اسلام و فرق اسلام میں لکھتے ہیں کہ "دروزہ" کا لفظ عربی لفظ "درز" سے نکلا ہے جس کے معنی مسرت کے ہیں جہاں بد نصیبی سے درز کے یہ معنی کہیں نہیں نظر آئے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شاید انھیں لفظ "درز" سے دھوکا ہوا۔ اس لیے کہ بے شک دروزہ کے معنی عربی میں مسرت کے ہیں شاید لکھنے والا ذال کا نقطہ دینا بھول گیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ دروزہ کے یہ معنی ہیں۔ دروز عربی میں کہڑے کو کہتے ہیں اور جب اس کا استعمال انسانوں کی طرف کیا جاتا ہے تو دروزی یا ذلیل طبقہ کے عام لوگوں سے عبارت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً ذلیل طبقہ کے لوگوں

یاد زینون میں یہ عقیدہ رواج پذیر ہوا۔ لہذا لوگ تغلیباً اس عقیدہ کے تمام پیروں کو در و نہ کہنے لگے۔ اور آخر اس نام کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ خود اس مذہب والوں نے بھی اپنا یہ لقب تسلیم کر لیا۔ مگر وہ اپنے لیے ”موحّد“ کے لقب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کہتے ہیں تو حید کو صرف ہمیں نے سمجھا ہے۔ اس مذہب کا سب سے بڑا داعی اور رواج دینے والا حمزہ بن علی نام ایک شخص تھا جس کے خطوط تبلیغ کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہے۔ یہ مجموعہ کتاب الذوز کے نام سے مشہور ہے اور قرقرہ در و نہ میں قرآن سے زیادہ مقبولیت و وقت رکھتا ہے حمزہ نے اس فرقہ والوں کے سامنے یہ اصول پیش کیا کہ محمد صلعم صرف قرآن کی تنزیل یعنی ظاہری و لغوی معنوں کو سمجھ سکے تھے۔ اُن کے اصطلاحی اصلی اور مرادی معنی فقط حاکم بامر اللہ ہی سمجھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ حمزہ بڑا زبردست خطیب اور نہایت ہی فصیح و بلیغ شخص تھا۔ اپنی جاودہ بیانی سے اُس نے شام کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال و ہم عقیدہ بنالیا۔

در و نہ کا داعی یہ عجیب اعتقاد ہے کہ قرآن کی حقیقت اور اُس کے بذریعہ وحی نازل ہونے کے تو معتقد ہیں مگر آنحضرت صلعم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ مذہب قوت پر چکا تھا۔ کہ خلیفہ الحاکم اپنے جو دوستم کے نتیجہ اور خود اپنی بہن بنت الملک کی خفیہ سازش سے ایک ہائر کی چوٹی پر مار ڈالا گیا۔ جہاں وہ وحی اور خدا کا پیغام لانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ اُس کی لاش چند روز تک مخفی رہی جس کے سبب سے اُس کے معتقدین یعنی در و نہ نے دعویٰ کیا کہ وہ زندہ جنت میں چلا گیا۔ اور چند روز کے بعد آ کے ابھی سلطنت کرے گا در و نہ کے عقائد ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ظاہر ہو جائیں گے :

وہ لکھتے ہیں کہ: — ”ہمارے سردار حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت“

ہمارے سردار حاکم عزرا اسماعیل کے بیٹے تھے جو کہ علی ابن ابی طالب کی نسل سے تھے اور
 اُن کی والدہ بھی فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان
 سے تھیں۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور چھتیس سال سات مہینے قیام کر کے اس دنیا سے رخصت
 ہو گئے۔ روانگی (یا غیبت) سے پیشتر انھوں نے ایک مقدس فرمان لکھ کے مسجدین میں
 لٹکوا دیا تھا۔ جن میں امید ہے کہ اگر اُن کی مرضی ہوئی تو چند ہی روز بعد پھر دنیا میں تشریف
 لائیں گے۔ اور بلا آلود تک فرمان فرما کر رہیں گے۔ نیز وہ لوگ جنھوں نے اُن کے دعوے کو تصدیق
 کو قبول کیا۔ اور نیز وہ جنھوں نے نافرمانی کی غرض تمام مذہبوں کے پیروں کو حکومت میں اُن کے زیر
 فرمان ہونے کے۔ مخالفین پر بڑے بغیر کیے جاویں گے۔ سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں گے
 اور اس امر کے پابند کیے جائیں گے کہ مذہبی امتیاز کے لیے اپنے لباس پر کوئی خاص
 علامت بنالیا کریں تاکہ فوراً پہچان لیے جائیں۔ لیکن موحیدین (یعنی حاکم کے پیروں میں)
 غیر مفتی زمانہ تک ہمیشہ حکمرانی کرتے رہیں گے۔ ہم ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد
 بن عبداللہ (آنحضرت صلعم) کے بعد ایمان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ان باتوں
 کے بعد آنحضرت صلعم بہت کچھ بُرے اور سخت و سست ناموں سے یاد کیے گئے ہیں
 جس فرمان کا ذکر اس تحریر میں ہے اُس کی اصلیت یہ ہے کہ حاکم کے مائے
 جاتے ہی ایک تحریر مصر کی کسی مسجد میں آویزاں ملی جس کی پیشانی پر لکھا تھا عقائد
 نامہ یعنی وہ عقائد جو حاکم نے اپنے پیروں کے لیے تجویز کیے تھے یہ عقائد نامہ جو
 اس مذہب والوں میں فرمان کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے فوراً اور وزیرین پھیلا۔ اور
 اُن کے مذہب کا اصلی معتقد علیہ قرار پا گیا۔ حاکم نے اس عقائد نامہ میں پہلے اہل مصر پر
 اپنے احسان جناب میں مسک کو جہالت کا الزام دیا ہے۔ اور مایوسی ظاہر کی ہے کہ وہ
 اس قابل بھی نہیں کہ اُن پر ربوند توحید آشکار کیے جائیں۔ اور قرآن کے باطنی
 معنی اُن کی سمجھ میں آئیں۔ وہ ورنہ اس فرمان کی قرآن سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔

اور اُس کے سامنے احکام قرآنی کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں میں یہ عجیب فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قریب قریب تمام اسلامی شعائر اور مذہبی قیدوں سے آزاد کر لیا ہے۔ نہ ختمہ کرے، نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ رطب بے تکلف پیتے ہیں نہ سور کا گوشت کھانے میں کبھی کسی قدر کابل نہیں کرتے اور اندواج و نکاح کی بہت سی رموز اور قیدوں میں بھی شریعت اسلامیہ کا بھروسہ نہیں کرتے۔ یہی اسباب ہیں کہ مشہور عربی سیاہ ابن بطوطہ ارض شام میں غالباً انھیں لوگوں کو دیکھ کے حیرت میں آگیا وہ کہتا ہے کہ ان کی مسجدیں ویران پڑی ہیں جن میں کبھی کوئی اذان بھی نہیں دیتا۔ اور اگر کوئی مسافر مسجد دیکھ کے ٹھہر جائے اور اذان دے تو اس سے کہتے ہیں: اگر سے کی طرح کیوں شور کرتا ہے۔ چپ رہہ دانہ چارہ بل جائے گا۔

اُن کی مسجدیں عموماً پھاڑیوں کی چوٹیوں پر بنائی جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ ہم ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ آج بھی سب ویران پڑی ہیں۔ اور اس ویرانی کے ساتھ یہ قید ہے کہ سوا داخل حائل لوگوں کے کوئی جانے نہیں پاتا۔ مہبدون یا مسجدوں کے اندر کچھڑے کی ایک صورت کپڑوں میں اور حائل لپی رکھی رہتی ہے جو امام غائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اُس کی نہایت ہی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ صورت کبھی کسی کے سامنے نہیں دکھائی جاتی اور اُس کی زیارت کے صرف وہی لوگ مجاز سمجھے جاتے ہیں جو دین کی حیثیت سے کوئی بڑا مرتبہ رکھتے ہوں۔ اور نہایت ہی معزز و ممتاز خیال کیے جاتے ہوں۔

کچھ اس صورت ہی پر منحصر نہیں اُن میں ہر مذہبی رسم کے چھپانے کی سخت تاکید ہے۔ مقدس کتاب و تذکرہ یا اس صندوق کی نسبت بھی جس میں وہ رکھی ہو بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں بجز مقدس و محترم لوگوں کے اور کسی کے گھر میں نہ نہیں سکتی۔ اور نہ اس کی اجازت ہے کہ جس متبرک گھر میں ہو اُس سے نکال کے کہیں باہر لے جانی جائے۔ سفید عمامہ نہ نہنا ان کے مذہبی رواج یا خیالات کے مطابق صفائی قلب اور خلوص نیت

کی دلیل ہے۔

ان کی مذہبی رسوم کی نسبت جو غیروں سے چھپا کے اور نہایت راز داری کے ساتھ عمل میں آتی ہیں لوگوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں ہیں جو قومیں ان کے آس پاس اور قرب و جوار میں رہتی ہیں انکا دعویٰ ہے کہ دروز لوگ ان معجوتوں میں باہم بیٹے کے سخت بے شرمی کے گناہوں اور نہایت ہی معیوب زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں مگر مزید تحقیق کو بھی تہہ نگاہ سے جو کچھ اس کا نام کر نیکا موقع ملا وہ یہی ہے کہ یہ الزام صحیح معلوم ہوتے ہیں اور جو کچھ کہا جاتا ہے اصلیت سے خالی نہیں۔

اگرچہ یہ لوگ دولت عثمانیہ کی قلمرو میں رہتے ہیں مگر جنگل بہاروں اور اپنے سکون میں کسی غیر کے طمع و فرمانبرداری نہیں ایک عمومی خراج سلطنت ادا کر کے آزادی کا دم بھرتے ہیں اور اکثر ادنیٰ ادنیٰ سوتھوں پر بلوہ اور بغاوت کر نیکو تیار ہو جاتے ہیں ان میں ایک قسم کی سختی حکومت ہے مختلف سردار اور امیر جن میں بھی باہم لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور وہ سردار بھی صرف اس وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے سلطنت کو خراج دیا جاتا ہے ورنہ دراصل اس کی بھی کچھ نہیں چلتی۔

درواز کی عورت میں بھی مذہبی راز داری کی رسوم میں شریک ہوتی ہیں مگر معاشرہ اور تمدنی زندگی میں ان کی کچھ وقعت نہیں شوہر جب چاہے طلاق دیدے عورت کچھ نہیں کر سکتی اس رواج کو یہاں تک ترقی ہوئی ہے کہ کوئی عورت شوہر سے باہر جانے کی اجازت مانگے اور شوہر اجازت دیتے وقت "جاو کے ساتھ یہ لفظ بھی نہ کہے کہ" اور واپس آؤ" تو زوجہ پر طلاق بائن عائد ہو جاتی ہے اور وہ جب تک کسی دوسرے کے نکاح میں جا کے طلاق نہ حاصل کرے اسکی بیوی نہیں بن سکتی۔

بچوں کو پختہ لکھنے کی بہت کم تعلیم دی جاتی ہے مگر ابتدائے عمر ہی سے لڑکھوں کے مشوروں میں شریک ہو کے صاحب الزائے کو گونہیں اٹھ بیٹھ کے اور بولنے لکھنے اور فوجی

مشورے شن شن کے بڑے ہوشیار ہو جاتے ہیں کسی اجنبی شخص کو یہ تماشا دیکھ کے حیرت ہو جائے گی کہ دروز کے دس دس بارہ بارہ برس کے لڑکے شام و صبح پولیس کے معاملات صلح و جنگ کے احتمالات گرد ہوں کی فوجی لیاقت و قوت اور ان کی انصاف پروری و انصافی پر بیٹھے بڑی آزا دی سے اسے زنی کر رہے ہیں اور مشورے کی صحبتوں میں چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز نہیں ہے۔

ان باتوں کے ساتھ ان لوگوں میں بے تکلفی اور سادہ مزاجی بھی انتہا درجہ کی ہے۔ قوم کا بڑے بڑا سردار ایک دنی کسان کو بھی دسترخوان پر ساتھ بٹھا کے کھا کھلاتے نہیں چکپاتا۔ اور یہی سبب ہے کہ ان میں مہمان نوازی کا بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی جوش ہے۔ ایسے موقع پر وہ جیسی جیسی فیاضیاں دکھا جاتے ہیں پیش و حیرت خیز ہیں۔ اور سب لوگ معترف ہیں کہ غریب و اموں کی خدمت کرنے میں کوئی ان کی عمری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ بات انھیں کے ساتھ مخصوص ہے کہ پناکھا ناما سفر کو دے دین اور خود بھوکے ہونا دروز کو یورپ والوں سے خاص عناد ہے اور ان سفید چہرے والوں کے انتہا سے زیادہ دشمن ہیں۔ ایک انگریزی ستیاج کا بیان ہے کہ ان میں پیشین گوئی کے طریق سے کوئی روایت مشہور ہے کہ کوئی مغربی قوم ان کی آزادی کو غارت کرے گی۔ اور ان کے آرام و آسائش میں فرق ڈال دے گی۔ اس روایت نے انھیں مغربی سچوں کی طرف سے بیان تک بظن کر دیا ہے کہ بات بات پر توہین کرتے ہیں۔ اور کوئی کسی کو خفا ہو کے گالی دینا چاہتا تو کہتا ہے کہ "خدا تجھے ہیٹ پھائے"۔

ان لوگوں کے خیالات بالکل مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ یہ چند باتیں بھی بڑی شکل سے معلوم ہو سکیں۔ وہ اپنے تمام اخلاقی اور مذہبی امور کو اس قدر پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کوئی سیاح ان کے حالات کو نہیں بیان کر سکتا۔ خود عثمانی سلطنت باوجود فرمان فرمائی کر نیکی ان کے قومی خصائص اور معاشرے بالکل ناواقف ہے۔

سترھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں جسے تقریباً دو سو برس کا زمانہ ہوا یورپ الون
کوارض شام کے پادشہ بن اس بہادر و خود مرقوم اور اس نے مذہب کا پتہ لگا۔ یورپ میں
بیکایک شہور ہوا کہ یہ لوگ حضرت محمد صلعم کے دین میں نبین شامل ہیں جس سے فوراً یقین
کر لیا گیا کہ مسلمان نہیں ہیں تو خواہ مخواہ عیسائی ہون گے یورپ کے عیسائی جو دولت عثمانیہ
کی دشمنی و عداوت پر بڑے جوش و خروش سے آمادہ رہتے ہیں اور فتنہ پردازوں کے موقع
ڈھونڈتے رہتے ہیں فوراً اس بات پر مستعد ہو گئے کہ جسطرح جناب معاویہؓ نے باوجود
اجائز ہونے کے ملکی ضرورت سے زیادہ کو اپنے نسب میں شریک کر لیا تھا اسی طرح ان
لوگوں کو اپنا مذہب ہی بھائی بنا کے ترکون کی قلمرو میں مخالفت اور جھگڑوں کی آگ بھڑکائیں یورپ
میں اس خیال کا پھیلنا تھا کہ مسیحیت کی ہر ہر ادا ان لوگوں میں ڈھونڈھی جانے لگی لغت کی
کتاب میں کھل گئیں۔ اور ”دروازہ“ کا لفظ یورپ کے ناموں اور لفظوں میں ڈھونڈھا جانے
لگا۔ ایک صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کونٹ آف ورڈ کے پیرو ہیں۔ اور بغیر تاریخی
شہادت ہم ہو بچاے فرض کر لیا گیا کہ اس نام کا کوئی کونٹ پہلے صلیبی مجاہدوں کے
ساتھ ارض مقدس میں آئے شام میں ٹھہر گیا تھا۔ ایک اور صاحب نے گہر فتنائی
کی کہ ”دروازہ“ لوگ تاتاریں لوگوں کی نسل سے ہیں جو پہلے جرمن میں آباد تھے۔ اسی طرح
اور بھی مختلف رائیں قائم کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ اسی قسم کی غلطیاں ہونا شروع ہوئیں جو
ایک مدت دراز تک اہل یورپ کو خوش کرتی رہیں۔ مگر مدت کے بعد بیکایک معلوم ہوا کہ
”دروازہ“ عیسائیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اصل میں یہ مسلمان ہی کا ایک بگڑا ہوا
کٹھن فرقہ ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں کا دشمن۔

ہم نے دروازہ کے حالات کو اس موقع پر ذرا زیادہ طول دیدیا۔ اور غالباً
بعض لوگ اعتراض بھی کریں گے کہ حسن بن صباح کے حالات میں ایک خارجی بحث کو اس
قدر طول دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو دروازہ کا حال ابھی چہر

روز ہوئے معلوم ہوا ہے۔ اور لوگ اُن کے حالات دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہیں۔
 لہذا اُن کا تذکرہ کئی ضرورتوں کے لحاظ سے چاہئے ہے موقوف ہو مگر امید ہے کہ دلچسپی خالی نہ ہوگی۔
 دروز کے حالات سے لوگ اندازہ کر سکیں ہوں گے کہ خلفائے نبی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تعلق
 کے لحاظ سے چاہئے اُن کو بھی اسماعیلیوں کا ایک فرقہ کہہ دیا جائے مگر اس فرقہ اور اُس کے
 اصول و عقائد کے بانیوں نے آزادی کو بیان تک دخل دیدیا کہ دراصل وہ ایک حد تک
 اسلام ہی سے خارج ہو گئے ہیں مخصوصات سے انکار کرنا۔ خدا کی حرام کی ہوئی
 چیزوں کو حلال کر لینا۔ اور سب پر غضب یہ کہ جناب رسول خدا صلعم پر طعن و تشنیع
 کر کے زبان کو ناپاک کرنا ایسی باتیں نہیں کہ اسلام کا کوئی مفتی بھی اُن کے حق میں کفر
 کا فتویٰ دینے اور اسلام سے خارج کرنے میں ذرا بھی تاثر کرے۔

سویڈنی اور خضروی

مگر باطنیین کے اصلی جانشین اور حقیقی پیرو سویڈنی اور خضروی ہیں۔ یہ دونوں
 حضرت علیؑ میں ایک شان الوہیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ارکان مذہب کی طرف سے وہ
 بھی اس قدر بے پرواہ ہیں کہ مسجدیں بنواتے ہی نہیں۔ سب سے بڑی عبادت یہ ہے
 کہ حضرت علیؑ کی قبر کی زیارت کے لیے نجف اشرف چلے جاتے ہیں جو عراق عرب میں
 شہر بغداد سے تھوڑی مسافت پر ہے اور جسے ان اسماعیلیوں نے اپنی سب سے
 بڑی زیارت گاہ بنا لیا ہے۔ کہ معظمہ کے قریب کسی اور مزار کی زیارت کو بھی جاتے
 ہیں۔ مگر اس طرح چھپ چھپ کے کسی کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ کہاں کس جگہ اور
 کس کی قبر ہے۔

خضریوں کا شمار سویڈنیوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان کا مستقر قدیم
 شہر سیاتہ ہے جہاں باطنیین کا پرانا قلعہ تھا۔ یہ شہر شہر سیاتہ سے محلوئے فاصلے پر ہے۔

خضر یون کا امیر بھی مسیحا مین رہتا ہے۔ اور اسی کی حکومت کو وہ مانتے ہیں
سویڈینوں کا مکرم و منشاہ شہر فرزارہ ہے جو مسیحا کے ماتحت ہے۔

نصیری

ان لوگوں کے قریب ہی نصیریوں کا فرقہ رہتا ہے جو قیود مذہب سے آزاد اور
علیٰ رضیٰ کی خدائی کے معتقد و متقدمین اُن سے اور دیگر فرقہ اسماعیلیہ یعنی خضر یون
اور سمویہ انیون سے سخت عداوت ہے جس کا جوش اس صدی عیسوی کی ابتدا میں
اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ نصیریوں کا ایک نہایت ہی معزز خاندان جو
جنی رسلان کے نام سے مشہور ہے ایک مدت دراز سے قلعہ مسیحا اور اُس کے توائج پر
حکمران چلا آتا تھا۔ اسماعیلیوں نے اندر ہی اندر قوت بڑھا کر ایک حملہ کیا اور اس
علاقہ سے انھیں مار کے کال دیا۔ مغلوب ہو جانے کے بعد نصیریوں نے کئی مرتبہ حملہ
آور ہو کر اپنی اہل سے کھوئی ہوئی وقعت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ
زور نہ چلا آخر سب ہگرمی چھوڑ کے مکہ و فریب اور عیارہ و دغا بازی پر آمادہ
ہو گئے اور ان کے چند رفیق عیارہ اسماعیلیوں کی سی وضع بنائے اور انھیں کے سے
کڑے پہنے ہوئے شہر مسیحا میں آئے۔ اور اسماعیلیوں کے سے نام تبا کے خضر یون
کے امیر شیخ مصطفیٰ ادریس کے پاس لو کر ہو گئے۔ ان لوگوں نے چند روز میں اس قدر
اعتبار پیدا کر لیا کہ ہر صحبت میں شریک ہونے لگے۔ اور آخر ایک دن موقع پا کر
اپنے آقا شیخ مصطفیٰ ادریس کو چھریاں بھونک بھونک کے مار ڈالا۔ نصیریوں
کو اس کارروائی کی پیشتر سے خبر دے دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ چاروں طرف گئے
کھڑے تھے۔ شیخ مصطفیٰ ادریس کے قتل کا شور سنتے ہی ہر جانب سے غل بچاتے ہوئے
نکل پڑے اور جو اسماعیلی جان ملا قتل کر ڈالا۔ نصیریوں کی یہ تدبیر ایسی پوری

موتی کہ سویرانی و خضروی ہمیشہ کے لیے مغلوب و پال ہو گئے۔ اور سیاہ پھر نیرین کے قبضہ میں تھا یہ واقعہ سن ۱۰۶۷ کا ہے جب سے اب تک نصیریوں کا دور دورہ ہوا اور اسماعیلی اُن کی ماتحتی میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایران کے بابی

اسماعیلیت اور باطنیت نے جس قسم کی آزادیوں اور اجتہادوں کا دروازہ کھول دیا تھا اگرچہ زمانے کے انقلاب سے وہ مغلوب ہو گئے اور ممالک اسلام کا عام مذہب نہ بن سکے مگر اُن کا زہر پلا اثر آخر تک باقی تھا۔ اسی صدی میں ایران میں میرزا علی محمد باب نام ایک عجیب و غریب شخص کی کوشش سے بابیوں کا جو نیا مذہب نمایاں ہوا اور اس وقت تک باقی ہے اُس کی عمارت بھی دریل باطنیت ہی کے گھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ سچ پوچھیے تو یہ نیا مذہب بھی حسن ابن صباح ہی کے اصول کا ایک آخری اور زیادہ آزاد نہ مسلک تھا جو جو وہ دولت قاچار یہ کی کوششوں سے دبا ہوا ہے اور پولیشکل جرم قرار دیے جانے کی وجہ سے نین اُبھر سکتا۔

حسامتہ

حسن بن صباح کی لائف مذہب باطنیہ کے اصول اور اسماعیلیت کے عقائد کا ایک نہایت واضح اور مختصر خاکہ امید ہے کہ ان گزشتہ بیانات سے چارے ناظرین کے ذہن میں پیدا ہو گیا ہو گا۔ اور وہ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ان تیرہ سو برس کے اندر اسلام کو کیسے کیسے انقلابات

کی مصیبت اٹھانی پڑی ہے۔ اور کس کس طرح سے فرقوں کی بنیاد ڈالی گئی۔
 ہم چاہتے ہیں کہ اسلام میں مختلف عقائد کے ظہور اور مذاہب کے پولیٹیکل
 تغیرات و انقلابات پر ایک مفصل اور کسی قدر ضخیم کتاب لکھی جائے جس میں
 تعصب کو دخل نہ ہو اور آزادی و انصاف پسندی سے ہر فرقہ کے حالات
 درج ہوں۔ اگر کسی اور صاحب نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا تو سبحان اللہ
 ورنہ اگر زمانے نے فرصت مادی تو بشرط زندگی کبھی ہم ہی توجہ کریں گے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

دل انیس پروت

ناولوں کے خلیق خصوصاً مولانا شہر
کے ناولوں کے شہر اس رسالے کو ضرور
خرید فرمائیں جس میں ہمیشہ دو نئے ناولوں
کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مجموعی صفحات
لائبل کے علاوہ (۳۲) ہونے ہیں پہلا
ناول مولانا کا طبع زاد ہوتا ہے اور دوسرا
انگریزی کے کسی ناول کا ترجمہ سالانہ چندہ
مع محصول ٹاکس (جس سال اپریل سے
اکل افسروز کا سال شروع ہوتا ہے) اور
اپریل کا پرچہ دور ویدہ آنے (جس پر دیہی
صحیح کے سالانہ چندہ وصول کر لیا جاتا ہے
نمونہ کے واسطے سرکار کا کٹ آنا چاہیے۔

دنگداز کی مکمل جلدین		ماکمل جلدین	
جلد ۱۹	جلد ۱۹	جلد ۱۹	جلد ۱۹
جلد ۱۸	جلد ۱۸	جلد ۱۸	جلد ۱۸
جلد ۱۷	جلد ۱۷	جلد ۱۷	جلد ۱۷
جلد ۱۶	جلد ۱۶	جلد ۱۶	جلد ۱۶
جلد ۱۵	جلد ۱۵	جلد ۱۵	جلد ۱۵
جلد ۱۴	جلد ۱۴	جلد ۱۴	جلد ۱۴
جلد ۱۳	جلد ۱۳	جلد ۱۳	جلد ۱۳
جلد ۱۲	جلد ۱۲	جلد ۱۲	جلد ۱۲
جلد ۱۱	جلد ۱۱	جلد ۱۱	جلد ۱۱
جلد ۱۰	جلد ۱۰	جلد ۱۰	جلد ۱۰
جلد ۹	جلد ۹	جلد ۹	جلد ۹
جلد ۸	جلد ۸	جلد ۸	جلد ۸
جلد ۷	جلد ۷	جلد ۷	جلد ۷
جلد ۶	جلد ۶	جلد ۶	جلد ۶
جلد ۵	جلد ۵	جلد ۵	جلد ۵
جلد ۴	جلد ۴	جلد ۴	جلد ۴
جلد ۳	جلد ۳	جلد ۳	جلد ۳
جلد ۲	جلد ۲	جلد ۲	جلد ۲
جلد ۱	جلد ۱	جلد ۱	جلد ۱

اطلاع
جس کتاب مصنف کی ملواریج کے دخلتہ ہوں وہ مال سرکار مجھ سے
بجور گلا کر لے کر ہوں ایک خان گھنٹو
(دستخط)

اعلیٰ درجہ اور خاص تاریخ کا ایک بار رسالہ جس میں مختلف مضامین
 نہیں بلکہ تاریخی مسئلہ اور شاخ جو ترقی پزیر اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے
 کہ چند ورکے اندر آپ کی زبان میں تمام قوموں اور ملکوں کی مبسوط
 اور مختصر اور مفصل و واضح تاریخیں پیدا ہو جائیں گی۔
 کافی اہل تاریخ میں مولانا اثر صاحب کی مشہور تاریخ "اور مؤرخین
 کے ہم صفیے ہوتے ہیں اور اس کے بعد ۳۵ صفوں پر کاغذ کی مشہور تاریخ
 دولت ہمسایہ عرب کا ترجمہ پورا رسالہ تاریخ جو مبینہ ۹۰ صفوں پر ہوتا ہے
 مؤرخ کا سالانہ چندہ یا پھر دہرہ رکھا گیا ہے۔ اور محصول ڈاک ۴۴ صر
 سالانہ پر مؤرخ جاری کر دیا جائیگا۔ نمونے کے لیے ۸ مرحمہ ہوں
 ہمیں جاسیان زبان اردو اور مولانا اثر کے کلمہ طبر کے قدر دانوں سے امید
 ہے کہ اس رسالے کی ضرورت مری کریں گے اس کا خریدنا زبان اردو کی سچی خدمت
 سے تو بخرمائیے قدر دانی کیجیے اور خود اپنی زبان کی خدمت کیجیے۔
 محمد صدیق حسن اٹوٹیر مؤرخ کراہہ بڑن بیگ خان۔ لکھنؤ

تکسایف مولانا محمد علی صاحب

تاریخ و سوانح

- (۱) جنید قدادی - حضرت علیہ کے حالات۔ ۱۰
- (۲) ابو بکر شبلی - حضرت شبلی کے حالات۔ ۱۰
- (۳) تاریخ سندھ عرب کے فتوحات سندھ کی حقیقت تاریخ۔ ۱۰
- (۴) تاریخ خلافت - خلافت کے مختصر حالات۔ ۱۰
- (۵) عصر قدیم۔ ۱۰
- (۶) خواجہ حسین الدین شمس الدین علی ہجویری کے حالات۔ ۱۰
- (۷) سکندر بنت جیسر - جناب سکندر بنت امام حسین۔ ۱۰
- (۸) افسانہ جنس - جنون عاری کے حالات۔ ۱۰
- (۹) شریں کلہ جو - زرا و خشری نامور خوشوقت۔ ۱۰
- (۱۰) ملکہ زونوسہ - سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ۔ ۱۰

تکاول

- (۱۱) جویاے حق - حضرت رسول صلی علیہ وسلم کی سوانحی بطور۔ ۱۰
- (۱۲) ناول حضرت اولیٰ علیہ رحمۃ دوم کا کال۔ ۱۰
- (۱۳) بابک خرمی - سلطنت عباسیہ کے زمانہ کا ایک تاریخی واقعہ ہر دو حصہ۔ ۱۰
- (۱۴) حضرت قاضی کا کال - ایک مایہ نوبت تاریخی ناول۔ ۱۰
- (۱۵) الفانسیہ - ایک مایہ نوبت تاریخی ناول۔ ۱۰
- (۱۶) خوفناک مجتہد - ہندوستانی شریف زادوں کی باکراستی و جہالت کی ایک اچھی تصویر پیش ہو سکتی۔ ۱۰
- (۱۷) حسن کا ڈاکو - حرام پور کے نواب کی سرگزشت۔ ۱۰
- (۱۸) حصہ اول ۱۲، دوم ۱۲، کال۔ ۱۰
- (۱۹) اسرار و راز حرام پور - حرام پور کے حالات۔ ۱۰
- (۲۰) حصہ اول ۵، دوم ۵، کال۔ ۱۰
- (۲۱) غیب دان - دین جبر و اختیار غیب دانی۔ ۱۰
- (۲۲) رومہ الکبریٰ - رومہ کا نو گون کا حلقہ۔ ۱۰
- (۲۳) لہو ملک - غور پور کا مورخ۔ ۱۰
- (۲۴) بہت پسین پٹی - غور پور کا تاریخی ناول۔ ۱۰

- (۲۱) ایام عرب - جاہلیت و نبوی تصور کیل ہر دو حصہ۔ ۱۰
- (۲۲) مقدس نازنین - ایک جینہ کا پونہ جاننا۔ ۱۰
- (۲۳) شوقین ملکہ - دوری صلیبی لڑائی۔ ۱۰
- (۲۴) قیس و لیلیٰ - عمدہ صحابہ کا ایک سچا عشق۔ ۱۰
- (۲۵) فلورا و فلورینڈا - لڑیں میں سلطنت عرب۔ ۱۰
- (۲۶) آغا صادق کی شادی - ایک دلچسپ قصہ۔ ۱۰
- (۲۷) فلیانہ - عمدہ صحابہ کا ایک سچا واقعہ۔ ۱۰
- (۲۸) خود دوس برین - جینے کی جنت کی سیر۔ ۱۰
- (۲۹) یوسف خیمہ کمال - جنگ جبین میں آپ پتی۔ ۱۰

مقدمات

- (۳۱) جلالت الخیر - حصہ اول ۵، دوم ۵۔ ۱۰
- (۳۲) حکم الامامیہ - معرفت میں بدلہ دینے کی ایک رسالہ کا ترجمہ۔ ۱۰
- (۳۳) سر سیدی و فی برکتیں۔ ۱۰
- (۳۴) ہندوستان کی برہمنی پر مولانا شری کا کچر۔ ۱۰
- (۳۵) اردو سے ہندوستان کا تعلق۔ ۱۰
- (۳۶) زمانہ اور اسلام - مولانا شری کی مشہور نظم۔ ۱۰
- (۳۷) شب وصل۔ ۱۰
- (۳۸) شب غم۔ ۱۰

متفرق مطلوبات و گلدازیں

- (۳۹) تاملیق بی بی میان کی حرکتوں پر بی بی کی کتنی چٹنی۔ ۱۰
- (۴۰) مسلمان تاجداران ہند - حصہ اول ۵، دوم ۵۔ ۱۰
- (۴۱) یادداشت عمل - ایک نہایت ہی نیک ناول - سوم ۵، چار ۵، پانچ ۵، شش ۵، ہفت ۵، آٹھ ۵، نواں ۵، دس ۵۔ ۱۰
- (۴۲) رقعہ اشعار - ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰۔ ۱۰
- (۴۳) جیلہ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰۔ ۱۰

حکیم محمد سراج الحق منیر دگر دگر بزن بیگ خان لکھنؤ

(عالمی زبان بنگالی میں شائع ہوئی)

